تھا نظام الدین کے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ میرا بھائی سائیکل پر جا رہا ہے، میں نے اس کو آواز لگائی اس نے مجھے دیکھا سائیکل دوڑائی مگر وہ بس کے ساتھ کہاں تک دوڑتا میں آگے ایک اسٹاپ پر اتر گیا وہ ہانپتا ہوا آیا مجھ سے لپٹ گیا اور ہاتھ جوڑنے لگا اس نے کہا پتا جی مرنے والے ہیں تجھے بہت یاد کر رہے ہیں۔ میں نے کہا اچھا میں کل آؤں گا، میں نے ابا جی سے اجازت چاہی انہوں نے دعوت کی نیت سے جانے کی اجازت دیدی، میں گیا تو وہ بالکل ٹھیک تھے، مجھے بہت دیر تک سمجھاتے رہے، کہا! تو میرا سب سے اچھا بیٹا ہے، تو ہی دھوکہ دے جائے گا تو میں کیا کروں گا؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک پنڈت جی سے مشورہ کیا تھا انہوں نے تجھے مار دینے کو کہا تھا اور یہ بھی کہا کہ اگر تم نے اس کو نہ مارا تو وہ سارے خاندان کا دھرم بھرشٹ کردے گا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا: میں نے کتنے لاڈ سے اس کو پالا کس دل سے اسے ماروں؟

میں نے ان سے کہا پتا جی! جب آپ لوگ مجھے پکڑ کر لائے تھے اس وقت بھی میں نے آپ سے کہا تھا وہی اب بھی کہتا ہوں اگر آپ میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردیں گے تو جب تک زبان میں دم ہے، لا الٰہ الا اللہ کہتا رہوں گا۔ میں تو اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے پتا جی ہیں آپ نے مجھے پالا ہے ماں نے دودھ پلایا، اگر آپ ہندو مر گئے تو ہمیشہ نرک کی آگ میں جلیں گے، آپ سبھی لوگ مسلمان ہو جائیں اور میرے ساتھ چلیں، وہ کچھ نہیں بولے اور بڑے مایوس ہوئے۔

میرے ایک چچا سعودی عرب میں رہتے ہیں، وہ بھی اسلام کے بہت قریب ہیں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھارت آئے ہیں تو میرے پتا جی ان سے ملنے گئے۔ پتا جی نے بتایا کہ تیرے چچا کہہ رہے تھے کہ سچا دھرم اور عقل میں آنے والا مذہب صرف اسلام ہے، ہم لوگ ہندو اس لئے ہیں کہ ہندو سماج میں پیدا ہوئے مگر ہندو دھرم کی کوئی بات عقل میں آنے والی کہاں ہے؟ وہ کہہ رہے تھے یا تو تم سب گھر والے مسلمان ہو جاؤ یا پھر اپنے لڑکے کو چھوڑ دو! اس کو پھر ہندو بنانے کی کوشش کرنا انیائے (ناانصافی) ہے۔

میں نے پتا جی سے کہا آپ نے کیا سوچا؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچی بات تو یہی ہے کہ اسلام ہی سچ ہے، مگر اتنے سماج کو چھوڑ کر ہم کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں لوگ کیا کہیں گے؟ میں بہت دیر تک ان کو سمجھاتا رہا، مگر ان کو برادری اور سماج کے ڈر کے سامنے مرنے کے بعد کی آگ کا ڈر کچھ نہ لگا، میرا دل بہت دکھا اور گھر آکر بہت رویا مجھے شیخ کلام صاحب کی وہ تقریر جو انہوں نے ایک بار مدرسے میں کی تھی یاد آگئی، کہ آپ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالیں تو جو لوگ غلط فہمی یا اسلام کو غلط دھرم سمجھنے کی وجہ سے اسلام کے دشمن تھے ان پر جب دعوت کا حق ادا کیا گیا تو وہ سب لوگ مسلمان ہوگئے۔ چاہے وہ حضرت عمر ہوں چاہے وہ خالد بن ولید ہوں، عکرمہ بن ابی جہل ہوں یا حضرت وحشی حضرت ہندہ جیسے ظالم کہلانے والے لوگ ہوں مگر وہ لوگ جو اسلام کو مذہب حق سمجھ کر حسد کی وجہ سے یا برادری اور سماج کے خوف کی وجہ سے اسلام سے دور ہوئے وہ ہدایت سے محروم رہے، خواہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کرنے والے چچا ابو طالب ہی کیوں نہ ہوں؟ میرے پتا جی اسلام کو حق بھی کہتے ہیں مگر برادری کے خوف سے اسلام قبول نہیں کرتے، اللہ نہ کرے وہ اسلام سے محروم رہ جائیں، وہ اگر اسی طرح کفر پر مر گئے تو ہمیشہ کی آگ میں جلیں گے۔ میرے ماں باپ مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ میرے اللہ! ان کو ہدایت سے نواز دے۔ اللہ تعالیٰ مجھے علم عطا فرما اور قرآنی مسلمان بنادے۔ میرے گھر والوں کو ہدایت عطا فرمادے۔

بقیہ...... سید الشہداء حضرت حمزہؓ

سر برآوردہ شخصیت مانے جاتے تھے۔ لوگ ان کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ وہ علی الاعلان اسلام کا پرچار کرنے لگے۔ بے خوف و خطر ہو کر نماز پڑھنے لگے، کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ ان کو نماز سے روک سکے۔ مسلمانوں کو ستانا جن کا معمول بن چکا تھا۔ وہ بہت حد تک مؤدب بن چکے۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام نے قریش کے کلیجے میں ناسور ڈال دیا۔ وہ اندر جلتے تو رہتے تھے۔ لیکن اب برملا اپنی دشمنی کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

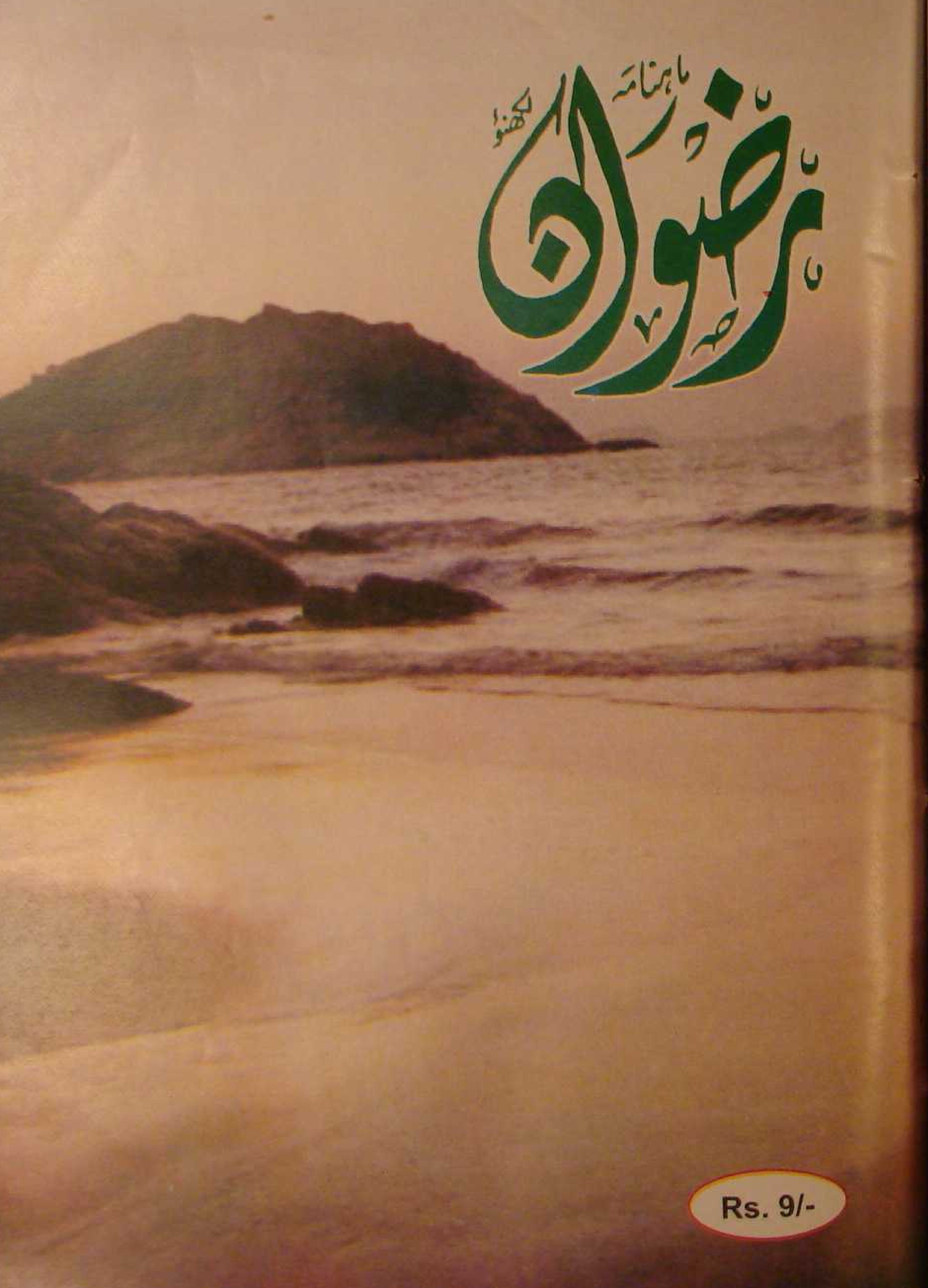

LW/NP - 184 **RIZWAN** R.N. 2416 /57
72/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 018
Ph.2270406

حدیث کی مشہور کتاب

ریاض الصالحین

کا سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ

جس میں وہ روایات ہیں جو فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح و تہذیب اور زندگی کے روزمرہ احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں

مقدمہ
علامہ سید سلیمان ندوی

زاد سفر

یہ کتاب
بہترین مصلح مربّی اور مرشد کا کام کرتی ہے
ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر
احادیث ہیں ذیلی عنوانات جگہ جگہ موضوع کی ہدایت
کرتے ہیں۔ بہترین کتابت
فوٹو آفسیٹ کی طباعت

مترجمہ
محترمہ امۃ اللہ تسنیم (مرحومہ)

قیمت حصہ اول / روپے۔ قیمت حصہ دوم روپے

مکتبہ اسلام ۵۴/۷۲ محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ (یوپی) ۲۲۶۰۱۸

بیادگارِ حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد ۴۸ جون ۲۰۰۴ء شمارہ ٦

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

- اُمامہ حسنی
- میمونہ حسنی
- اسحاق حسینی
- جعفر مسعود حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان :	۱۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۲۵/امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۱۰/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۵۴/۲/۱۷۱، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔۲۲۶۰۱۸
Phone : 2270406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔فون : 2281223

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر.......... ۳
- حدیث کی روشنی .... لمۃ اللہ تسنیم ۴
- دینی مدارس کی اہمیت وضرورت ..... مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ........ ۶
- اللہ اکبر .... محترم ابن الحسن عباسی........ ۱۰
- ہمارے معاشرے کے قابل اصلاح پہلو . مولانا محمد رابع ندوی........ ۱۱
- سید الشہداء حضرت حمزہؓ .... حافظ شکیل احمد ۱۴
- صفر المظفر احادیث کی روشنی میں ...... محترم محمد غازی پوری........ ۱۵
- خاندانی منصوبہ بندی .... جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن........ ۱۷
- ''وندے ماترم'' کا پس منظر.............. محمد یوسف رحمت اللہ........ ۲۲
- مغربی عورت اسلام کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ۲۴
- یہ محبت ہے کہ اندھی تائید؟ .... سفینہ عرفات........ ۲۶
- کفار کی نقل کیوں؟............ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی........ ۲۸
- سوال جواب .... مفتی محمد راشد حسین ندوی........ ۳۳
- اور فرات بہتا رہا............. محترم یعقوب سروش........ ۳۴
- میں نے جب اسلام قبول کیا .... محترم بلال احمد.. ۴۰-۳۸

اپنی بہنوں سے.........

مدیر

● ——— اس وقت عالم اسلام کے خلاف امریکہ اور اس کے سرپرست یہودیوں کی طرف سے جو فوجی حملے جاری ہیں اسی کے ساتھ دینی ثقافتی اور تعلیمی محاذوں پر بھی زبردست یلغار ہے۔ ڈرانے دھمکانے سے لے کر مالی امداد تک کو اس کام میں لایا جارہا ہے وہ مسلمان ملک جن کے سربراہوں نے امریکہ اور یہودیوں کے آگے سر تسلیم خم کردیا ہے صرف اس شرط پر کہ ان کا اقتدار باقی رکھا جائے۔ اور ان کو ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کی اجازت ملی رہے، اس مخالف اسلام مہم کا خاص نشانہ ہیں، ان میں مصر اور اس کے بعد پاکستان سرفہرست ہیں، ان ملکوں کے نصاب تعلیم سے قرآن وحدیث کے اسباق رفتہ رفتہ نکالے جارہے ہیں، اور اسلام کی وہ تشریح کی جارہی ہے جو یہودیوں کی پسند کردہ ہے۔

مصر اس پروگرام کی خاص تجربہ گاہ ہے کیونکہ اسرائیل کے بعد وہ امریکہ کا خاص پسندیدہ، وفادار ملک ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ امریکی امداد اسی کو ملتی ہے، یہاں حُسنی مبارک امریکی گورنر کی حیثیت سے تخت سلطنت پر براجمان اور امریکی و یہودی مفادات کے نگہبان ہیں، مصر میں اسلامی تربیتی نصاب میں خاص تبدیلیاں کی گئی ہیں اور ان کا سلسلہ برابر جاری ہے مصری قوم جیسے جیسے اس کو ہضم کرتی جاتی ہے اگلا قدم رکھا جاتا ہے۔

پردہ کو شرعی فریضہ سمجھنے کی نفی کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی قرآنی آیتیں نصاب سے ہٹادی گئی ہیں، سورہ جاثیہ کو پڑھانا بند کردیا گیا ہے کیونکہ وہ شریعت اسلامی کے نفاذ پر زور دیتی ہے پرائمری کے تیسرے درجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کے سبق کو ختم کردیا گیا ہے، میٹرک سے اسلام کی حرام کردہ چیزوں کا تذکرہ حذف کردیا گیا ہے اسی طرح یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جو غداری کی تھی تاریخ سے اس کو ختم کردیا گیا غزوۂ خندق، غزوۂ بدر واحد کے اسباق باقی نہیں رکھے گئے۔ کہ اس سے دہشت گردی پھیلتی ہے، نماز روزہ وضو وغیرہ کے ذکر میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ اس سے صحت اچھی ہوتی ہے۔ مذہبی لحاظ سے ان کے فرض ہونے کا ذکر ختم کردیا گیا ہے۔

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ مصر میں عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ آزادی بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی مکمل تعلیم اپنے حساب سے دے سکتے ہیں اور حکومت سے مالی امداد لے سکتے ہیں۔

یہ ساری کارروائی ایک ایسی تعلیمی کمیٹی کے ذریعہ کی جارہی ہے جس کی سربراہ ایک امریکی یہودن ڈاکٹر لینڈ البرٹ ہے اور یہ کمیٹی حکومت مصر نے امریکہ کی ہدایت پر بنائی ہے۔

امۃ اللہ تسنیم

اللہ کے راستے میں کوششیں

مفید بات کی حرص اور مستعدی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قوی مومن بہتر ہے اور اللہ کو کمزور مومن سے قوی مومن زیادہ محبوب ہے اور دونوں میں خیر ہے۔ ہر اس نیکی پر لالچ کرو جو تم کو نفع پہنچائے، اللہ سے مدد چاہو اور عاجز نہ ہو۔ اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ یہ کرتا تو یہ ہوتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ نے جو چاہا مقدر کر دیا۔

جنت ناگوار چیزوں سے گھری ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ خواہشات کے ساتھ گھری ہوئی ہے اور جنت ناگوار چیزوں سے گھری ہوئی ہے۔

رسول اللہؐ کی رات کی نماز

حضرت ابو ہریرہ حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی، آپ نے سورہ بقرہ شروع کی۔ میں نے خیال کیا کہ آپ سو آیتوں پر رکوع کریں گے۔ آپ اس سے بڑھ گئے میں نے خیال کیا کہ آپ اس کو ایک رکعت میں پڑھیں گے لیکن آپ اس سے بھی گزر گئے۔ میں نے کہا اب شاید رکوع کریں۔ پھر آپ نے سورہ نساء شروع کر دی، اس کو ختم کر کے آل عمران شروع کی اور اس کو بھی پڑھا اور آپ آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ جب آپ ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح ہوتی تھی تو آپ تسبیح کرتے تھے جب پناہ کی آیت پر پہنچتے تو پناہ مانگتے تھے، اور سوال کی آیت پر پہنچتے تو آپ سوال کرتے، پھر آپ نے رکوع کیا اور کہنے لگے سبحان ربی العظیم اور آپ کا رکوع قیام کی طرح تھا۔ پھر کھڑے ہوئے اور کہا سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور آپ کا قیام رکوع کی طرح تھا۔ پھر سجدہ کیا اور کہا سبحان ربی الاعلیٰ پس آپ کا سجدہ آپ کے قیام کی طرح تھا۔ (مسلم)

نماز کی طوالت

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریمؐ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی آپ نے قیام لانبا کیا۔ میں نے ارادہ کیا بیٹھ جاؤں اور چھوڑ دوں۔ (بخاری)

مرنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے؟

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ ۱-گھر والے ۲-مال ۳-عمل۔ دو چیزیں پلٹ آتی ہیں اور ایک باقی رہتی ہے۔ گھر والے اور مال پلٹ آتا ہے۔ عمل ساتھ ہوتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

جنت دوزخ آدمی سے کس قدر قریب ہیں

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت تمہارے جوتے کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے اور اسی طرح دوزخ بھی۔ (بخاری)

نوافل کی کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

حضرت ابو فراسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے (جو اہل صفہ میں سے تھے) کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھر میں قریب ہی سوتا تھا۔ وضو کا پانی اور جس چیز کی ضرورت ہوتی تو میں آپ کے لئے لاتا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے مانگو، میں نے کہا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اور کچھ میں نے کہا بس یہی۔ آپ نے فرمایا سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔ (مسلم)

نوافل کی زیادتی کے نتائج

حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے سجدوں کی کثرت کرو اگر تم اللہ کے لئے سجدہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارے درجے بلند کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔ (مسلم)

عمر دراز نیک عمل

حضرت ابو صفوانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی بہتر ہے جس کی عمر لانبی ہو اور کام اچھے ہوں۔ (ترمذی)

یقین اور صبر کی ایک مثال

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میرے چچا انسؓ بن نضر بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں پہلی لڑائی میں جب آپ مشرکوں سے لڑے تھے، غیر حاضر رہا، اگر اللہ مجھے کسی جنگ میں مشرکوں سے لڑنے کا موقع دے گا تو اللہ دیکھے گا میں کیا کروں گا، جب احد کا دن آیا اور مسلمان چھٹ گئے تو کہا اے اللہ میں تیری طرف اس کا عذر پیش کرتا ہوں جو انہوں نے (یعنی ساتھیوں نے) کیا اور میں اس سے بری ہوتا ہوں جو انہوں نے (یعنی مشرکوں نے) کیا۔ پھر آگے بڑھے تو سعدؓ بن معاذ سامنے آئے۔ کہا اے سعد بن معاذ، جنت، قسم رب کعبہ کی، مجھے اس کی خوشبو احد کے اسی طرف سے آ رہی ہے سعد نے کہا یا رسول اللہ یہ انہیں کا کام تھا، میرے بس کی بات نہ تھی، انس کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ اوپر اسی نشان ان کے بدن پر پائے، تلواروں کے یا نیزوں یا تیروں کے۔ اور ہم نے ان کو اس حال میں پایا کہ وہ شہید ہو چکے تھے اور مشرکوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تھے، حتی کہ ان کو پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی کے پوروں کے نشان سے پہچانا۔ انس کہتے ہیں کہ ہمارا گمان تھا کہ یہ آیت من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ انہیں کے بارے میں اتری۔ (بخاری، مسلم)

تھوڑا اور بہت صدقہ

حضرت ابو مسعود عقبۃ بن عمرو الانصاری البدری سے روایت ہے کہ جب صدقہ کی آیت اتری ہم اس وقت پیٹھ پر بوجھ اٹھا کر مزدوری کرتے تھے۔ ایک آدمی آئے اور انہوں نے بہت کچھ صدقہ کیا۔ لوگوں نے کہا ریاکار ہے۔ دوسرا آدمی آیا، اس نے ایک صاع صدقہ کیا۔ لوگوں نے کہا، اللہ کو اس کے ایک صاع کی ضرورت نہ تھی تو یہ آیت اتری۔

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقات والذین لا یجدون الا جھدھم. (توبہ-ع ۱۰)

اللہ کی عظمت اور بے نیازی

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آپ رب تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا، اے میرے بندو میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام کیا۔ پس ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو، مگر جس کو میں ہدایت دوں، پس مجھ سے ہدایت چاہو، میں تم کو ہدایت دوں گا، اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں، مجھ سے مانگو میں تم کو کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جس کو میں پہناؤں، سو مجھ سے کپڑے مانگو میں تم کو کپڑے دوں گا۔ اے میرے بندو تم سب رات دن خطائیں کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخش دیتا ہوں، سو مجھ سے بخشش چاہو میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو اگر تم مجھے نقصان پہنچانا چاہو تو مجھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر تم مجھ کو نفع پہنچانا چاہو تو مجھ کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اے میرے بندو تمہارے اگلے اور پچھلے انسان اور جن سب کے سب نہایت متقی اور پرہیزگار ہو جائیں تو میرے ملک میں اس سے کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو تمہارے اگلے اور پچھلے انسان اور جن سب کے سب نہایت ہی بدکار ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اے میرے بندو تمہارے اگلے اور پچھلے انسان اور جن سب کے سب ایک چٹیل میدان میں جمع ہوں اور مجھ سے سوال کریں تو میں سب کو دوں گا اور مجھے کچھ نقصان نہ ہوگا مگر اتنا جیسے سوئی (کو پانی میں ڈالنے سے) سمندر میں کمی ہوتی ہے اے میرے بندو بیشک یہ تمہارے اعمال ہیں، میں ان کو گنتا ہوں، پھر وہی تم کو پورا پورا دے گا۔ سو جو بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سواء پائے وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔ (مسلم)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

دینی مدارس کی اہمیت وضرورت

جدید اجتماعی وسیاسی تغیرات نے بہت سے قومی ومذہبی مسائل کو موضوع بحث بنادیا ہے اور زندگی کے بہت سے شعبوں اور اداروں کی ضرورت اور فائدہ پر بحث وتنقید کا دروازہ کھل گیا ہے، مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوگیا کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلے میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ مسلمان قوم کا مزاج اور اقوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے، مذہب، امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے، یہ قوم کسی جگہ اور کسی بھی وقت غیر مذہبی نہیں ہوسکتی، بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب (اسلام) کے بغیر اس کا تصور ہی ممکن نہیں، مذہب اس کے فکر وعمل کا مرکز، اس کے کاموں کی صحت وغلطی اور اس کی ترقی وتنزلی کی میزان اور اس کی صحت طبعی اور انحراف مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس امت کی بنیاد ایک خاص قانون (شریعت) اور ایک خاص دستور (قرآن وحدیث) پر ہے یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر انسانی اجتہادات، وتجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے وحی الٰہی ہے، دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب وتمدن کی بنیاد دیواروں اور ستونوں، میناروں، گنبدوں، کاغذ کے شیرازوں، تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے، بلکہ چند ابدی حقائق، چند اصول نظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے، دنیا کی دوسری ''خودرو'' اور ''خودساختہ'' قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے، اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند ترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے اور یہ نمونہ گزر چکا ہے، لیکن تاریخی وتحریری طور پر محفوظ ہے، یہ سنت رسول، اسوۂ صحابہ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے ''سنت'' اور ''سلف'' کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا مفہوم جتنا اسلام میں وسیع اور ہمہ گیر ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطہ نظر اور تعلیمات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے، اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے، اس لئے اس میں دین ودنیا کی وہ تقسیم نہیں ہے جو مسیحی مذہب میں ہے نہ دین ودنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علیحدہ علیحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں، جس طرح عیسائیوں میں، مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد مؤثر ہوتا ہے اور جلد متاثر، اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتہ سے طے نہ کئے جائیں تو نہایت آسانی سے وہ دین سے ٹکرا جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے، مثال کے طور پر صلح وجنگ کے قوانین، لین دین کے معاملات اور کتنے اجتماعی ومعاشرتی سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے، ان مسائل کو طے کرنے کے لئے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب وقانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو، اس کے علاج وطبی مشورہ کے لئے کیسے مزاج داں ونباض اور کیسے حاذق کی ضرورت ہے؟

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی امیدوار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے قانون اور دستور سے واقف ہو، اس سرچشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آب حیات جاری ہے، ان ابدی حقائق کا علم اور ان کے اصول ونظریات پر یقین رکھتا ہو اور اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور حامل ہو جس پر اس کے تمدن وتہذیب کی بنیاد ہے اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متاثر ہو جس پر امت کے حال ومستقبل کی تعمیر ہونی چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے، اسلام در اصل نام ہے اس مستقل واضح اور متعین دینی اخلاقی اور اجتماعی نظام کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں لے کر آئے، اسی کا نام شریعت محمدی ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، اعمال، اخلاق ومعاملات بھی، باقی جو کچھ ہے یا اس کے لئے وسیلہ ہے یا اس کا نتیجہ۔ امت کا سب سے بڑا فریضہ اس نظام کی حفاظت ہے، عقائد کی حفاظت بھی ضروری ہے اور احکام کی حفاظت بھی! ضرورت ہے کہ عقائد ان تمام تحریفات سے محفوظ رہیں جو دوسرے مذاہب میں پیش آئیں اور جس کا اس امت میں بھی ہر وقت خطرہ ہے، ضرورت ہے کہ نبوت محمدی نے ذات وصفات باری تعالیٰ، توحید ورسالت، قضا وقدر، حشر ونشر، امور غیب اور وحی کے متعلق جو تشریح کی ہے اور ان کے جو حدود قائم کئے ہیں وہ باقی رہیں۔ اس لئے کہ ان تمام مسائل کی بنیاد قیاس وتخمین پر نہیں بلکہ وحی نبوت پر ہے اور نبوت محمدی نے اس کی تکمیل کردی ہے۔

احکام پر عمل اسی طرح ہو جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہوا، شرعی احکام وعبادات میں ترمیم واضافہ (بدعت) سے مذہب کو محفوظ رکھا جائے، پرانے آسمانی مذاہب ان بدعات کی وجہ سے اس طرح مسخ ہوئے کہ اب انبیا کے لئے ان مذاہب کا پہچاننا ناممکن ہے۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ ان عقائد واحکام کی برابر اشاعت وتعلیم ہوتی رہے، اس لئے کہ دین کی بقا اسی پر منحصر ہے۔

اس کے علاوہ امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں بھلائی کی تلقین (امر بالمعروف) اور برائی کی ممانعت (نہی عن المنکر) کرتی رہے۔ ایک آیت میں امت کی پیدائش وظہور کا مقصد بتایا گیا ہے: (کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله) (آل عمران ع ۱۲)

ترجمہ: تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی، اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

لیکن یہ امت کا بحیثیت مجموعی فریضہ ہے اگر اس میں سے ایک معتد بہ جماعت یہ فرض انجام دے تو گویا پوری امت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے اس لئے دوسری آیت میں امت کے ایک بڑے گروہ کا جس پر خود امت کا اطلاق ہوسکے یہ فریضہ بتایا گیا ہے، مگر امت صغریٰ کا پیدا کرنا اور اس کو اس کا موقع دینا خود ''امت کبریٰ'' کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

(ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر) آل عمران ع ۱۱)

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے، جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

اس تقسیم کے اصول کو یہ آیت اور زیادہ واضح کرتی ہے:

(وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلو لا نفر من كل فرقة منهم

طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم إذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون). (توبۃ ع ۱۵)

ترجمہ : اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مؤمن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ کریں کہ ہر جماعت سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو خوف دلائیں تاکہ وہ کچھ خوف کریں۔

نہایت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا فرائض نظام شرعی کی حفاظت، عقائد واحکام کو اپنے مقام پر رکھنا اور ان کو تحریف وبدعات سے بچانا، شریعت کی اشاعت وتعلیم اور تبلیغ واصلاح کے فرائض قوم کا کون سا طبقہ انجام دے سکتا ہے۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے ایثار وقربانی صرف وہ طبقہ کر سکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو، جس کے رگ وریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا عشق واحترام پیوست ہو گیا ہو اور جس کے قلب ودماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو، اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو ہمیشہ یہی طبقہ بے چین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، محمد ذوالنفس الزکیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیاں اور سرفروشی اور اموی وعباسی محرف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد اسلامی نظام کی حفاظت کی کوششیں ہی تھیں۔ پھر ان خونیں معرکوں کے مظلوم شہدا اگر عالم کہلانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کہلانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سرفہرست نام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک تحریف والحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں حفاظت دین کے لئے جو شخص تنہا میدان میں آیا وہ جماعت علما کا ممتاز فرد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھا جس کے عزم واستقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں؟

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری، فسق وفجور اور بدامنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدریوش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت وجمعیت کے ساتھ "من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ" پر عمل کرنا شروع کر دیا، جس کی پاداش میں وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دئے گئے۔

بعد کے زمانے میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی ودینی اصلاح کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد اسلامی نظام کو اپنے مرکز اصلی پر لانے کے لئے عقائد کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفہیم اور صحابہ کے فہم کے مطابق سمجھنے کے لئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو علمی وعملی خدمات انجام دیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب (مؤرخ اسلام کے الفاظ میں) "عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوسیں بجائیں، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ وتصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا" تو جو مسلمان مجاہد اس "فتنہ اکبر" کے مقابلہ کے لئے

میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رخ ہی پھیر دیا اور جس کی عہد آفریں تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالمگیر جیسا متشرع فرماں رواں اور حامی دین پیدا کیا وہ علما ہی کا سرتاج، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

اس کے بعد آج اس وقت تک ان عجمی دیار میں غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سرپرستی اور حفاظت کی اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بارہا چراغ سحری بنا، گل نہ ہونے دیا، وہ علماء دہلی کا مشہور بابرکت خاندان ہے جس میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی قربانی اور سرفروشوں کی بنا پر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظتِ دین، رد بدعات، اصلاح رسوم اور الحاد وزندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت تک ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ سراسر اسی طبقہ سے ہو رہا ہے۔

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحب شریعت وکتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین وحاملین اور شریعت کے ترجمان وشارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضروت ہے تو لامحالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے، جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافتِ راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس کی ضرورت ہے تاکہ امت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں، اگلوں کی جگہ لے سکیں اور اس مشین میں فٹ ہو سکیں، اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمے دارانہ عہدوں کے لئے دین دار امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے اور حفاظت دین کا فرض انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علما ہے، چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس وتدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے، مگر دینی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علما نے جابجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کر دئے انہیں قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہیں قلعوں میں پناہ گزین ہے اور اس کی ساری قوت واستحکام انہیں قلعوں پر موقوف ہے۔

بقیہ......اور فرات بہتا رہا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذہبی پیشواؤں، نمرود اور عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم سب لوگوں نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنا لیا ہے بت پرستی کی بنیاد پر ہی اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر کر لی ہے۔ مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور آگ تمہارا ٹھکانا ہو گی۔ اور کوئی بھی تمہارا مددگار نہ ہو گا"۔

اور لالہ گل چمن زار کے کنارے دریائے فرات پرشور موجوں کے ساتھ بہتا رہا!!!۔

اللہ اکبر

محترم ابن الحسن عباسی

اللہ سب سے بڑا ہے، بے شک اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے، اللہ کی کبریائی، اللہ کی عظمت، اللہ کی بزرگی وبرتری، اللہ کی قدرت اور قوت اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی اور مرد مومن کے ایمان کا وہ عنصر ہے جو اسے قیصر وکسریٰ، دارا وسکندر، چنگیز وہلاکو، جمشید وفریدوں اور بش جیسے خاکی پتلوں کے سامنے جھکنے سے بچاتا اور اس کی بارگاہ کا ایک سجدہ ہزار سجدوں سے آدمی کو نجات دلاتا ہے، اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ بحر کے پاتال اور بر کے ذرات سے لے کر فضا اور خلا کی بے کراں وسعتوں تک اور فرش سے تا عرش، اس کی خدائی وکبریائی کا پھریرا لہرا رہا ہے...... اس کی قدرت کی جھلک غنچے کی جنگ میں بھی ہے اور پھولوں کی مہک میں بھی، بلبل کی چہک میں بھی ہے اور جگنوں کی چمک میں بھی...... وہی ہستی بزم کائنات کی صبح کو نور کا زیور تن کرآتی اور شام کو تاریکی کا پردہ اوڑھاتی ہے، وہی خشکی کو تری اور تری کو خشکی کا جامہ پہناتی ہے...... وہ اگر چاہے تو نبی کے گھر کافر اور کافر کے ہاں نبی پیدا کردے، آذر کے گھر حضرات ابراہیم پیدا کردے اور فرعون کے گھر حضرت موسیٰ کی پرورش کا انتظام کردے کہ دلوں کے تار اسی کے قبضے میں ہیں، وہ جسے چاہے موڑ دیں وہ چاہے تو آگ کو گلزار کردے اور گلستان کو آتش بار کردے، چٹان سے اونٹنی نمودار اور سونے والوں کو ساڑھے تین سو سال کے بعد بیدار کردے، ایک مومن اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ دانے کے سینے پہ شجرہ رکھ دیا کس نے...... یہ قطرہ نیساں میں گھر رکھ دیا کس نے...... یہ لوح وقلم ارض سماوات ہیں کس کے...... یہ پھیلے ہوئے ہر سمت کمالات ہیں کس کے...... یہ سنگ کے پہلو میں شرر رکھ دیا کس نے...... یہ قطرہ نیسان میں گھر رکھ دیا کس نے...... یہ لوح وقلم ارض سماوات ہیں کس کے...... یہ پھیلے ہوئے ہر سمت کمالات ہیں کس کے...... تاحدِ نظر ثبت نشانات ہیں کس کے...... یہ لہروں کی زبان پر ہے کس کا وظیفہ...... یہ سمندر ہے کس کی ہیبت کا صحیفہ...... یہ انسان ہے کس ذاتِ اقدس کا خلیفہ...... قل اللہ نظر کو بھانے اور دل کو لبھانے والے ان مناظر کا۔ خالق اللہ اور صرف اللہ ہے، اس رازِ عیاں کی حقیقت پانے اور سمجھنے کے بعد یہ خاکی انسان دین حق کے لئے۔ کفن سر پر باندھ لیتا، جان کی بازی لگا دیتا، خیمے اکھاڑ دیتا، کشتیاں جلا دیتا اور دریاؤں میں گھوڑے دوڑا دیتا ہے...... پھر وہ فزت ورب الکعبۃ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) کی صدا لگا کر موت کا استقبال کرتا ہے...... جب بغداد کی فضا پر آگ کا خیمہ تان دیا گیا، رات بھر شعلے اٹھتے رہے، اخبارات میں اگلے دن خبر چھپی کہ تباہی کا یہ منظر ٹی وی کی اسکرین پر کروڑوں انسان دیکھتے رہے اور سمجھے کہ جل کر بغداد مٹ چکا لیکن سحر کی پو پھٹتے ہی مسجدوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں...... تب معلوم ہوا، بغداد جاگ رہا ہے، اللہ اکبر کی صدا کار جاگ رہا ہے۔

چاند پر سب سے پہلے قدم رکھنے والا "نیل آرم اسٹرانگ" مصر گیا، صبح تڑکے وہ بستر پر ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا، کمرے سے نکل کر پریشانی کے عالم میں لان میں پہنچا، ہوٹل کے اسٹاف نے پریشان دیکھ کر اس سے وجہ پوچھی، اس نے کہا "میں کہاں ہوں" اور جب اسے بتایا گیا "کہ آپ مصر کے دار الحکومت قاہرہ میں ہیں"۔ تو کہنے لگا "قاہرہ میں یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں"۔

باقی صفحہ......۱۶......پر

ہمارے معاشرے کے قابل اصلاح پہلو

مولانا محمد رابع ندوی

افراد انسانی کا اجتماعی ڈھانچہ جس کو سماج کے لفظ اور معاشرے کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے صالح تشکیل وتنظیم کے بعد ہی مطلوبہ اور اچھے نتائج پیدا کرتا ہے، اس کے متعین طرز عمل کی پابندی سے ہی ثقافت، تہذیب اور متعدد سماجی قدروں کا ظہور ہوتا ہے جن سے انسانی زندگی کی رنگا رنگی ظاہر ہوتی ہے نیز ایک معاشرہ دوسرے معاشرے کے مقابلے میں اپنی خصوصیات کا مظاہر کرتا ہے۔

کسی بھی انسانی سماجی ڈھانچے کی زندگی کا طرز بنانے میں حکومت وقت اور اجتماعی کام کرنے والی انجمنوں اور سماجی مصلحین کا بڑا کردار ہوتا ہے، یہ کام حکومتوں کا ہوتا ہے کہ سماج کے بڑے ڈھانچے کو شائستہ رکھنے کے لئے وہ اپنے وسائل اور دلچسپی کو بروئے کار لائے، اس میں نظام تعلیم اور انتظامی تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مشرقی حکومتیں اس سلسلے میں بہت کوتاہی برتتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مشرق میں حکومتوں کو اپنے اقتدار کے بقا کے لئے جو توجہ صرف کرنا پڑتی ہے اس میں ان کی جدوجہد کا بڑا حصہ صرف ہوجاتا ہے، اس طرح قوم کی اخلاقی خوبی، اس کی تہذیبی درستگی اور سماجی شائستگی کا کام بہت کم ہوجاتا ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک میں سماجی نظم وضبط کی خاصی فکر کی جاتی ہے، لیکن مشرق ومغرب کی زندگیوں کے فلسفے الگ الگ ہیں، اس لئے مغربی ممالک کی اختیار کردہ تمام تدابیر مشرقی ممالک کی فکر سے پوری ہم آہنگی نہیں رکھتی ہیں۔

مغربی ممالک میں زیادہ اہتمام نظم وضبط، تعلیم وصنعت نیز ظاہری صفائی تک محدود ہے مادی نفع وضرر پر اس کی فکر مرکوز رہتی ہے، اس کے برعکس مشرقی قوموں میں مذہبی وانسانی اقدار سے زندگی کو استوار کرنے کی فکر ہوتی ہے اور نظم وضبط وصفائی اور تعلیم کے معاملے میں انسانی قدروں اور تقاضوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، لیکن عصر جدید میں ہمارے مشرقی معاشروں کی حالت بہت گرتی جارہی ہے، اور خرابی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، بہر حال اجتماعی زندگی کی صالح اور با اخلاق تشکیل وتنظیم وہ عمل ہے جس کے ذریعے کوئی انسانی معاشرہ جنگل کے معاشرے سے برتر اور بہتر بنتا جاتا ہے اور اس سلسلے میں غفلت کرنے سے جنگل کے معاشرے سے قریب تر ہوجاتا ہے اس لئے ذی علم اور حساس افراد کو اپنے معاشرے کی بہتری کے لئے اسلامی تعلیمات کے مستند ذخیرے میں سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر خاصا مواد ملتا ہے، حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کا کوئی اہم پہلو نہیں چھوڑا ہے، سب کے لئے واضح ہدایات دی ہیں اور اس طرح انسانوں کی سماجی زندگی صاف ستھرا اور شائستہ بنانے کی کوشش کی ہے، آپ کی یہ کوشش صرف فکر وہدایات کے دائرے تک محدود نہیں رہی بلکہ انسانوں کے جس معاشرے سے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست واسطہ پڑا آپ نے اس کی عملاً تربیت فرمائی اور یہ تربیت بے مثال ثابت ہوئی، پوری انسانی تاریخ میں اس معاشرے سے اچھا معاشرہ آج تک قائم نہیں ہوسکا اور آئندہ بھی اس کی توقع نہیں یہ وہ معاشرہ ہے کم از کم مسلم معاشروں پر اس کی نقل کرنے کی کوشش کرنا رہتی دنیا تک فرض ہے، بلکہ یہ معاشرہ تمام انسانی معاشروں کے لئے بھی بہترین اسوہ اور معیار ہے، غیر مسلم معاشرے بھی اگر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو اس کے مفید نتائج کا وہ بھی تجربہ کرسکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی تعلقات ومعاملات کے تمام قابل عمل پہلوؤں کی تحسین واصلاح پر زور دیا ہے اور اتنا زور دیا ہے کہ ان کی فضیلت یا خرابی مذہب، مذہبی خوبی یا خرابی سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے، آپ کے ارشادات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ان میں کمزوری ہے تو عبادت میں زیادتی بھی کام نہیں آسکتی بلکہ وہ ضائع ہوجاتی ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مصلحین کو توجہ ان امور پر اتنی صرف نہیں ہورہی ہے جتنی ہونا چاہئے اس کی وجہ سے معاشرتی زندگی میں بعض ایسی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں جن سے اسلامی معاشرے کا پورا چہرہ گندہ ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے مسائل بھی کھڑے ہوجاتے ہیں کہ معاشرہ مختلف قسم کی کشمکشوں، پریشانیوں اور افراتفریوں کا شکار ہورہا ہے، ان میں سب سے زیادہ قابل فکر آپس کا تفرقہ، خودرائی، خودغرضی اور بے غیرتی کی برائیاں ہیں جن سے ملت اسلامیہ داغ دار ہورہی ہے، ان باتوں کا برا اثر آپس کے ربط وتعلق پر پڑتا ہے اور ان سے چھوٹی بڑی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مسلم معاشرہ ہم سب کے مجموعے کا نام ہے، کوئی عیب اگر ہم کو اپنے کسی بھائی یا دوست میں نظر آتا ہے تو ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہم میں بھی ہوسکتا ہے، شاید شکل بدلی ہوئی ہو، دوسرے کے اندر عیب دیکھ کر عیب کو محسوس کر لینا اور اس کے ازالے کی کوشش کرنا بڑی سمجھ کی بات ہے۔

مسلم معاشروں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کی خرابیوں کے بڑے اسباب ہیں اس دائرے کی بہت سی برائیاں ملیں گی، حالاں کہ مسلم معاشرے کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلیمات ملی ہیں ان میں اس کی طرف بہت توجہ دلائی گئی ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا انما المؤمنون اخوة اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لن یؤمن احدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ اور فرمایا المسلم للمسلم کالبنیان بعضہ بعضا یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو صرف اپنا بھائی ہی نہ سمجھے بلکہ اس کے لئے پسند بھی وہی کرے جو اپنے لئے کرتا ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ایسا تعلق پیدا کرے جیسا کسی عمارت کی اینٹوں کے درمیان ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو تھامتی اور مضبوط بناتی ہیں۔

اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنے معاشرے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، ہم اس کا معاملہ تعلیمات اسلامی سے بالکل برعکس پاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو عملاً اپنے بھائی کا مقام بالکل نہیں دیتا اور اگر بعض اثرات کی وجہ سے کسی حد تک بھائی کا مقام دیتا ہے تو اس کے مفادات کو وہ درجہ نہیں دیتا جو اپنے مفادات کو دیتا ہے، بلکہ مسلمان معاشروں میں یہ بات صاف طریقے سے دیکھی جاسکتی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے صرف اپنے ذاتی مفاد کے دائرے ہی میں تعلق رکھتا ہے، اگر اس کے ذاتی مفاد کا معاملہ نہ ہو تو پھر اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی، مال کے خریدنے بیچنے میں، اخلاق وسلوک برتنے میں دوستی دشمنی کرنے میں، تعلقات قائم کرنے اور توڑنے میں اسلام کے مقرر کئے ہوئے اخلاق بالکل نظر نہیں آتے، رہا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے تو اس کا تصور بھی مشکل ہوگیا ہے اور رہی یہ بات کہ اس کی اصل وجہ خود غرضی کا وہ چلن ہے جو غیر مسلموں سے مسلمانوں میں پوری طرح منتقل ہوگیا ہے، بلکہ غیر مسلم سے منتقل ہونے کی کیا ضرورت خود آدمی کا نفس ہی اس کام کو انجام دے لیتا ہے، یہ نفس وہ نفس ہے جو اسلامی تعلیمات کے اثر سے بالکل بے نیاز ہوگیا ہے۔

مسلمانوں کے اندر اس خودغرضی کے پھیلنے کے بعد اس کے اثرات مسلم معاشرے کے پہلوؤں میں بہت نمایاں ہوگئے ہیں اس خودغرضی کے اثرات اس وقت سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں میں زیادہ نمایاں ہیں، سیاسی زندگی میں مسلمانوں کی شدید بدحالی میں اس خودغرضی کا دخل زیادہ ہے، ہر ایک شخص قائد تو بننا پسند کرتا ہے، لیکن تابع بننے کے لئے تیار نہیں اور ظاہر ہے کہ کسی جماعت یا گروہ میں صرف ایک ہی

قائد ہوسکتا ہے اور جب کئی شخص قائد بننے کے لئے کوشاں ہوں گے تو وہ گروہ گندگی اور انتشار کا شکار ہوجائے گا اور اس سے کم زور ہوکر دشمن سے مار کھائے گا اور کسی بھی خطرے کے مقابلے سے قاصر رہے گا اور یہی اس وقت مسلمانوں کی جماعتوں، انجمنوں اداروں حتیٰ کہ مسجدوں کی ہنگامی کمیٹیوں کی کہانی ہے کہ امام اپنا فریضہ اور ذمہ داری سمجھنے کے بجائے ارکان حضرات حکم وانتظام کو اپنا حق زیادہ سمجھنے لگے ہیں پھر اس رسہ کشی میں انجمن یا ادارہ برباد ہوجاتا ہے یا ٹکڑوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔

یہ بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس کے مفادات کو وہی اہمیت دے جو اپنے مفادات کو دیتا ہے ایک خواب بن چکی ہے۔ جس کا علم کتابوں میں ہوتا ہے یا ذہن میں ایک دھندلا تصور لایا جاسکتا ہے حالاں کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا وہ طاقت ہے جس پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا بڑی حد تک انحصار ہے اور ملت کی تاریخ میں بے شمار کامیابیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں اور آج بھی کسی درجے میں یہ تصور عمل میں آتا ہے تو وہ کامیابیاں حاصل ہونے لگتی ہیں اور یہ وہ طاقت ثابت ہوتی ہے جس سے دوسری ملتیں اور قومیں مسلم ملت پر رشک کرتی ہیں۔

اس پر بھائی چارے میں گورے کالے کا، آقا غلام کا، دولت مند غریب کا، حاکم اور محکوم کا اور طاقت ور وکمزور کا فرق ختم ہوجاتا ہے، جس کی مثال اس سے ملتی ہے کہ بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی اور ابو بکر قریشی سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نہ صرف اکٹھا ہوگئے بلکہ دوست ساتھی اور ہم پیالہ وہم نوالہ بن گئے، غلام وآقا کا فرق اٹھا تو دنیا نے یہ نمونہ بھی دیکھا کہ عظیم القدر مسلم حاکم خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق بیت المقدس میں عنان اقتدار سنبھالنے کے لئے داخل ہوتے ہیں اور خود پیدل ہیں اور ان کا غلام سواری پر، کیوں کہ سواری ایک تھی اور یکے بعد دیگر اس پر بیٹھتے تھے اور شہر میں داخل ہوتے ہوئے غلام کی باری تھی لہٰذا وہ قائم رہی۔

وطنیت کا فرق اس طرح مٹایا کہ ایرانی نژاد سلمان فارسی احاطہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور محمد بن عبداللہ قریشی عربی فرماتے ہیں کہ سلمان منا اھل البیت کہ سلمان ہم میں مثل گھر والوں کے ہیں۔

اور آپ حجۃ الوداع کے موقع پر بہ بانگ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے اس کے کہ اس میں نیکی واحتیاط ہو، سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کی تشکیل مٹی سے ہوئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ معاملہ اسی کے مطابق رہا، آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید سے اپنے بھتیجوں اور نواسوں کی طرح شفقت کا معاملہ کیا۔

یہ وہ اخوت تھی جس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا، مشرق سے مغرب تک اس کے آثار ونتائج سامنے آنے لگے اور ایک ہی برادری میں ہندی وترکی رومی وایرانی، عرب وبربر، مصری وحبشی اکٹھا ہوگئے، لیکن آج ہم پھر ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں اور ہم کو اپنے رنگ ونسل پر فخر ہونے لگا ہے، پھر آپسی میں مزید دوری بڑھ گئی ہے اور ہم ایک دوسرے کے معاملے میں خود غرضی اور نفس پرستی کا شکار ہوچکے ہیں، اپنے فائدے کو صرف ترجیح دیتے ہی نہیں بلکہ اپنے مفادات کے سامنے دوسرے کے ہر طرح کے نقصان کو قبول کرلیتے ہیں اور ہر مسلمان کا مزاج صرف اپنے مفاد پر نظر رکھنا بن چکا ہے اور ہماری ملی زندگی اسی عیب سے تار تار ہے۔

ضرورت اس وقت سب سے زیادہ اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی مفادات کی فکر میں اجتماعی مفادات کو قربان نہ کریں اور اپنے فائدے کے حصول میں خود غرضی کا ثبوت نہ دیں، اس کے لئے بہترین اصول وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چاہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں، ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے گا تو اس کے مفادات کو نقصان پہنچانا تو بڑی بات ہے اس

(باقی صفحہ......۲۱......پر)

حافظ شکیل احمد

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

وہ منہ اندھیرے گھر سے نکلتے اور شام کو دن چھپے گھر لوٹتے۔ سارا دن ہاتھ میں تیر کمان لئے شکار کی تلاش میں وادیوں اور گھاٹیوں میں گھومتے رہے۔ شکار مل جاتا تو وارے نیارے ہو جاتے نہیں تو اگلے دن کی امید پر تھکے ہارے گھر آجاتے وہ دھن کے پکے تھے۔ جب وہ شکار کی تلاش میں سرگرداں ہوتے تو انہیں بھوک و پیاس کا احساس تک نہ ہوتا۔ اور نہ ہی وہ گرمی و سردی کی پروا کرتے۔ چلچلاتی دھوپ میں بھی اور ٹھٹھرا دینے والی ہوا میں بھی وہ اپنا کام جاری رکھتے۔

ایک دن وہ حسب معمول دن ڈھلے شکار سے واپس گھر آئے۔ ابھی گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ گھر کی ایک کنیز ان کے سامنے آکر زار وقطار رونے لگی۔ وہ ان سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ اتنی دکھی تھی کہ وہ بات کرنا چاہتی لیکن منہ سے بات نکلنے کے بجائے آنکھوں سے آنسوں نکلنے لگے۔ کنیز کو یوں روتا ہوا دیکھ کر سردار کا دل بھر آیا۔ پوچھا تم اس قدر کیوں رو رہی ہو؟ کس نے ستایا ہے؟ اس نے روتے ہوئے جواب دیا: آپ کو تو کسی کی پروا نہیں۔ چاہے کسی پر ظلم بھی ہوتا رہے! سردار غضب ناک ہو کر بولے۔ کس پر ظلم ہوا؟ مجھے جلدی سے بتاؤ؟ کنیز نے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا ''آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر'' سردار نے کہا کس ظالم نے ان پر ظلم کیا ہے؟ ابوالحکم نے۔ وہ کیسے؟ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوالحکم نے ان پر گندگی پھینک دی اور گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ سردار نے کہا کہ ابوالحکم ہم سے کہاں بھاگ سکتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں کمان تھی اسی حال میں وہ چلتے چلتے صحن کعبہ میں پہنچ گئے۔ جہاں ابوالحکم اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ جوں ہی سردار کی اس پر نگاہ پڑی تو قریب جا کر زور سے کمان اس کے سر پر سید کی۔ سر پھٹ گیا۔ خون بہنے لگا اس کے دوست اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن ابوالحکم نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو روک دیا۔

ابوالحکم، جسے اس کی جاہلانہ حرکتوں کی وجہ سے ابوجہل کا نام دیا گیا! وہ ہمت کا ہیٹا نہ تھا لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ جوابی کارروائی نہ کی، بس یہی پوچھا ابوعمارہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ پاگل تو نہیں ہو گئے؟ پاگل تو تم ہو جو لوگوں کو ستاتے ہو۔ کسے ستایا ہے؟ میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ہاں میں نے ستایا ہے کیونکہ وہ بے عقلی کی باتیں کرتا ہے۔ بے عقلی کی باتیں تم کرتے ہو وہ تو بڑی معقول باتیں کرتا ہے۔ ابوالحکم نے کہا کیا تم اس کو نبی و رسول جانتے ہو؟ ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں کسی میں ہمت ہے تو مجھے روک کر دکھائے۔ یہ گواہی دینے والے رسول اللہ کے سب سے چھوٹے چچا حضرت حمزہؓ ہیں۔ چچا بھتیجا ہونے کے علاوہ دونوں رضاعی بھائی ہیں کیوں کہ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ساتھ کھیلتے تھے۔ گویا محبت کے سارے رشتے قائم تھے۔ لیکن اظہار نہیں ہوا تھا۔ حضرت حمزہ اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عم محترم! آپ تو بڑے بہادر انسان ہیں آپ کو پیچھے ہٹنا نہیں چاہئے۔ یہ تو بزدل لوگوں کا کام ہے کہ انسان کی زبان پر کچھ اور دل میں کچھ ہوتا ہے۔ حضرت حمزہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل پر آپ کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ بے ساختہ میری زبان پر کلمہ جاری ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت حمزہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ کفار پر یہ بجلی بن کر ٹوٹی۔ مشرکوں کے حوصلے سرد پڑ گئے۔ کیوں کہ حضرت حمزہ ہاشمیوں کے بڑے دبدبے والے سردار تھے۔ ان کی قوت وعظمت کو سب سلام کرتے تھے۔ خاندانی وقار کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ذاتی اوصاف کی وجہ سے ایک

(باقی صفحہ......۴۰......پر)

محترم محمد غازی پوری

صفر المظفر احادیث کی روشنی میں

اسلامی تاریخ کا دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے، اسلامی مہینوں میں اسے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا حدیث پاک میں مخصوص انداز میں تذکرہ آیا ہے اور اس سے وابستہ وہم وخرافات کی نفی کی گئی ہے۔ وہم وہ نحوست تھی جو فتنوں، وباؤں، امراض اور مصائب، وحوادثات کی شکل میں کبھی اس مہینے میں پیش آئی تھی اور اس کی بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہو گیا تھا کہ صفر کا مہینہ نحوست والم کا مہینہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کی کلیۃً نفی فرمائی اور انسان کو کامیاب زندگی کی راہوں میں صالح عقیدہ کی روشنی بخشی، ارشاد فرمایا لاعدوی ولاصفر چھوت چھات اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں، اس مفہوم کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں بہ کثرت وارد ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے جاہلی معاشرہ میں توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، مثلاً چھوت چھات، سعد ونحس، بھوت پریت وغیرہ۔

جاہلیت نے صفر کو نامرادی وناکامی کا پیش خیمہ بتایا تھا، اسلام نے صفر کو مظفر ومسعود گردانا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مہینوں میں اسی مہینے کے ساتھ خصوصاً ''مظفر'' کامیاب کی صفت لگی ہوئی ہے، گویا اشارہ اس سے یہ ملتا ہے کہ یہ ایام ظفر وسعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشام وبدفالی کا وحشت ناک درپن، جس میں قوت عمل ٹوٹتی ہوئی اور امیدیں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

صفر کے تعلق سے یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدت میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا ہے اس تصور ہی سے انسان لرز اٹھتا ہے اور صفر کی آمد سے اس کے تصورات واحساسات میں ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی تھی۔

اسی طرح دور جاہلیت میں صفر میں ''نسی'' کو جائز سمجھا جاتا تھا اور عملاً سارے پروہت اس کے قائل تھے'' نسئی کہتے ہیں مہینہ آگے پیچھے کرنے کی رسم کو یہ رسم عام طور پر اس مہینے میں ہوتی تھی یعنی محرم کو صفر تک مؤخر کر دیا جاتا تھا اور پھر عین محرم کے مہینے میں جو اشہر حرام میں سے تھا ان کی خون آشام کارروائیان جاری ہو جاتی تھیں، امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی تھی ''وقلمس کنانی'' تھا پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابوثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر، یہی بات علامہ ابن اثیر نے بھی ''نہایہ'' میں تحریر کی قیل: اراد به النسئی وهو تاخیر المحرم الی صفر اس سے مراد محرم کو صفر تک مؤخر کرنا ہے، اسلام نے اس نسئی کے عمل کو لغوی ہی نہیں بلکہ عمل کفر قرار دیا: إنما النسئ زيادة في الكفر. (نسئی کفر کے زمانہ میں بڑھائی ہوئی بات ہے۔)

لہٰذا ان سب کی نفی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ ''لاصفر'' سے فرما دی ہے، اس میں درج بالا تینوں قسم کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کو ان تکدرات وخرافات سے آلودہ ہونے سے بچایا جائے تاکہ رفتہ رفتہ کہیں وہ ان توہمات کی بنیاد پر شرک میں مبتلا نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن اور تاریخ کو منحوس گردانتا ہے اور اس میں اس کو مؤثر خیال کرتا تو یہ شرک ہے، اس لئے کہ مؤثر تو صرف اللہ کی ذات ہے، بعض دن اور بعض تاریخوں میں کسی قوم پر نحوست اگر طاری ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت میں نحوست کا سرچشمہ ہیں اس لئے کہ قرآن پاک میں قوم عاد کی تباہی کا جہاں ذکر آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا یوم نحس مستر یعنی قوم عاد پر عذاب، جاری رہنے والی نحوست

کے دن آیا اس دن کا تعلق پورے ہفتے سے ہے اس لئے کہ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات تیز آندھیوں کا عذاب مسلط رہا۔ یہاں تک کہ پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی، ان کے محلات زمیں بوس ہوگئے اور باغوں میں خاک اڑنے لگی، علامہ عثمانی نے اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کو سا رہے گا، قرآن کریم میں تصریح ہے وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتایئے اب ہفتے کے دنوں میں کون سا دن نحوست سے خالی رہے گا۔ چونکہ صفر کی نحوست دور جاہلیت میں فتنوں اور حوادث کے وقوعہ سے وابستہ کی گئی تھی اور اس کو وہ فتنوں کی تحریک میں مؤثر خیال کرتے تھے لہٰذا اسے روکا گیا اور ہر چیز کا رخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی طرف کردیا گیا اسی طرح بارش کے ہونے کو نچھتر کی طرف منسوب کرنے سے بھی روکا گیا اور اسے کفر بتایا گیا اور اس قسم کے تمام مواقع میں اسلام کی تعلیم کا صرف ایک ہی رخ ہے وہ یہ کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا انتساب اسی کو زیبا ہے۔

اس کے باوجود افسوس ہے کہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں مسلم معاشرے میں اب بھی پائی جاتی ہیں اور اس کا لحاظ اسی درجہ کیا جاتا ہے کہ جاہلیت بھی شرما جائے۔ انہیں خرافات میں سے صفر المظفر میں ''تیرہ تیزی'' کا وہمی تصور ہے، جو مردوں میں تو کم لیکن عورتوں کے دل و دماغ پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ ہر حال میں اس کی پابندی لازمی سمجھی جاتی ہے، صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کئے جاتے ہیں شادی بیاہ نہیں کی جاتی، دلہن کی رخصتی موقوف ہوتی ہے، کوئی نیا کام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، ان دنوں میں ولادت کو بھی کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر ولادت کسی کے یہاں ہوئی تو سمجھایا جاتا ہے کہ اس کی آمد پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوگئی تو اس کو فوراً اس نئے مہمان کی آمد سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہ خالص جاہلی تصور ہے جو ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوا، سعد ونحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں، جو کچھ ہوتا ہے صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کے حکم میں کسی کو اختیار نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک مسلمان کی یہی شان ہے کہ اس کا باطن وہمی تصورات سے قطعاً پاک ہو اور ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو، پھر اس کو وہ قوت قاہرہ حاصل ہوگی جو کسی قوم وملت کی قیادت کے لئے ضروری ہے۔

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
(اقبالؒ)

بقیہ .... اللہ اکبر

اسے کہا گیا کہ قاہرہ کی مسجدوں سے صبح کی اذانیں بلند ہو رہی ہیں، تب اس نے اپنی بد حواسی کی وجہ بتائی کہ میں نے چاند پر اس طرح کی آوازیں سنی تھیں، یہاں دوبارہ سن کر مجھے شک ہوا کہ ''میں چاند پر ہوں یا زمین پر'' خاک سے اٹھ کر گردوں پر گزر رکھنے اور جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب لگانے والی ''اللہ اکبر'' کی یہ ایمانی صدا، مومن کو حوصلہ بخشتی، سرمدی جذبوں کو حرارت عطا کرتی، مخالف سمتوں کے سامنے ڈٹ جانے اور انجام سے ظالم کے دوچار ہونے تک اس میں صبر کی قوت پیدا کرتی ہے...... انا ربکم الاعلیٰ کی آواز لگا کر ظلم و جبر کا ایک تسلسل فرعون نے بھی قائم کر رکھا تھا، وہ ایک خدا کی خدائی ماننے والوں کے جسم میں کیلیں ٹھونکتا اور جب سرکشی کی تمام حدوں سے گزر گیا تو پکڑ آئی، نیل کی سرکش موجوں نے اپنا کام شروع کیا، تب اس نے ''رب موسیٰ'' پر ایمان لانے کی دہائی دی لیکن وقت گزر چکا اور مہلت ختم ہوچکی تھی...... عصر حاضر کے طاغوتِ مچھندر نے بھی حدود پھلاندلی ہیں، اس کے ہاتھ معصوم جانوں کے خون سے سرخ اور اس کا دماغ بڑائی وغرور کے خمار سے آلودہ ہے...... دیکھئے تازیانہ عبرت دجلہ وفرات کی بے تاب لہروں کی صورت اختیار کرتا ہے یا کسی اور شکل میں سامنے آتا ہے کہ :

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آزری

جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

خاندانی منصوبہ بندی

مسلم دنیا کے خلاف مغرب کا تباہ کن ہتھیار

ضبط ولادت کے دو پہلو ہیں، ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی، جہاں تک انفرادی پہلو کا تعلق ہے، اسلام بعض صورتوں میں اس کی اجازت دیتا ہے، لیکن اجتماعی طور پر ایک منصوبہ بندی کے تحت یہ عمل اسلام کی روح اور مزاج کے خلاف ہے۔ یہی بات مجھ سے عالم اسلام کے مشہور عالم الشیخ مصطفیٰ زرقا نے تقریباً بیس سال قبل ایک عالمی کانفرنس کے دوران ایک نجی ملاقات میں میرے سوال کے جواب میں کہی تھی۔

ضبط تولید قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن حکیم کی نظر میں ضبط تولید ناجائز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے :

(نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم) (البقرة : ۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، سو اپنی کھیتی میں جب چاہو آؤ۔

قرآن کریم نے نکاح کے سلسلے میں اس امر کو شامل ہی نہیں کیا کہ مرد کسی بھی تدبیر سے ایسی صورت اختیار کریں جس سے ان کا مقصد یہ ہو کہ تخلیقی مادہ (مادہ منویہ) بہا دیا جائے اور اس سے تحفظ نسل نہ ہوسکے، مردوں اور عورتوں دونوں کو یہ انداز فکر وعمل اختیار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نسل انسانی کی کثرت اور قیامت تک اس زمین کو انسانوں سے آباد کرنا نکاح کا اصل مقصد ہے اور اس مضمون کی احادیث تو صاف وصریح موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تزوجوا کے حکم کے ساتھ یہ بھی اضافہ فرمایا کہ الودود الولود یعنی ایسی زوجہ ہو جو محبت کرنے والی اور اولاد جننے والی ہو۔

ضبط تولید کی وکالت کرنے والوں کے پاس مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ آبادی بڑھنے سے وسائل زرق آبادی کے مقابلے میں کم پڑتے چلے جائیں گے، نزول قرآن کے وقت جو لوگ اولاد پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالتے تھے (کیونکہ ان کے پاس مانع حمل ادویات وآلات نہیں تھے) وہ بھی اس دلیل کا سہارا لیتے تھے، قرآن کریم نے براہ راست اس دلیل کی جڑ کاٹی اور فرمایا :

(ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم). (الانعام)

اور افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی رزق دیتے ہیں تم کو بھی اور ان کو بھی۔

(ولا تقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم). بنی اسرائیل : ۳۱)

اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ رو، ان کو بھی اور تم کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔

یہاں قتل اولاد سے مراد بلاشبہ زندہ اولاد کو قتل کرنا ہے، مگر معنی (By implication) اس میں Sterlilization کے ذریعہ اولاد کو پیدا نہ ہونے دینا بھی ہے، کیونکہ دونوں محرکات ایک جیسے ہیں۔

کثرتِ آبادی کو روکنے کی غرض سے یہ ضبط تولید اسلام سے بے بہرہ افراد کو بہت مستحسن معلوم ہوتی ہے ان کی اس روش پر قرآن کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے، ارشاد ہوتا ہے:

(وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادهم شرکاؤهم لیردوهم ولیلبسوا علیهم دینهم) الانعام : ۱۳۸)

اور اس طرح مشرکین کے معبودوں نے ان کے لئے قتل اولاد کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ ان کو برباد کیا جائے اور ان کے طریقے کو ملتبس (حق وباطل کا خلط ملط

ہو جانا) کر دیا جائے۔

(الشیطان یعد کم الفقر).

(البقرۃ : ۲۶۸)

شیطان تمہیں تنگی رزق کا نام لے کر ڈراتا ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ یہ نقصان میں رہیں گے، کیونکہ یہ لوگ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے مزید وسائل رزق پیدا کرنے کے بجائے اپنی آبادی کم کرنے بیٹھ گئے۔

(ولقد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھاً بغیر علمٍ وحرموا ما رزقھم اللہ. (الأنعام : ۱۴۱)

وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے بغیر علم کے حماقت کے طور پر اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ کے رزق کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : (ان تدعو اللہ ندًا وھو خلقک) یہ کہ تو کسی کو اللہ کا نظیر و مثیل قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا : (ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعم معک) کہ تو اپنے بچے کو قتل کر دے اس خیال سے کہ وہ تیرے کھانے میں شریک ہوگا۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : (ان تزانی حلیۃ جارک) یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔

ضبط تولید کے طریق کار کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مرد و عورت کے درمیان حیا اور شرم ختم ہو جاتی ہے اور ان میں اختلاط جنس کا رجحان بڑھ جاتا ہے، معاشرے میں فحاشی عام ہو جاتی ہے، مغربی مفکرین ضبط تولید کے اس نتیجے کو تسلیم کرتے ہیں۔

''دوسری عالمگیر جنگ کے بعد جنسی رویہ میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، مغربی معاشروں میں یہ خصوصیت پیدا ہوئی ہے کہ نوجوانوں خصوصاً لڑکیوں میں جنسی تعلقات کی عام اجازت کا رجحان بڑھ گیا ہے، وسیع طور پر مہیا ہونے والے مانع حمل طریقوں نے لذت حاصل کرنے کے ایسے اصولوں میں قوت پیدا کر دی ہے، جن کی رو سے عورت و مرد کی عصمت و عفت کا تصور غیر فطری ہے اور شادی کے علاوہ مکمل جنسی تجربات ایک عام اور بنیادی چیز ہے''۔

الیکٹرونک میڈیا اور اب تو پرنٹ میڈیا بھی جس طرح اس دوڑ میں شامل ہو گیا ہے، آج کل بے حیائی کے دیو کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا ہے، چنانچہ مغربی تہذیب کے مفکرین نے جب اپنی ثقافت کا تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ :

''مغربی ثقافت جنسی تسکین کی اہمیت پر زور دیتی ہے''۔

چونکہ معاشرتی ذمہ داریاں (بچوں کی پیدائش، پرورش اور تعلیم و تربیت) جنسی تسکین کی راہ میں حائل ہوتی تھیں، اس لئے ایسا طریقہ اختیار کیا گیا جس سے جنسی تسکین بھی ہو جائے اور معاشرتی ذمے داریوں سے بھی جان چھوٹ جائے، معاشرتی ذمے داریوں سے گلو خلاصی جنسی تسکین کے نام پر ہوتی ہے تو ضمیر ملامت کرتا، اس لئے ضبط تولید کو خاندانی منصوبہ بندی کی صورت دے دی گئی (جسے اب ''بہبود آبادی'' کا خوب صورت نام دیا گیا ہے) اور انسانیت کو فاقہ کشی سے بچانے کے لئے اس کی نسل کشی کی جانے لگی، لیکن اس سے جس قدر معاشرتی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں اس کا اندازہ لگانے کیلئے خود یورپی مفکرین کی آراء ملاحظہ ہوں :

ایک عام شادی شدہ جوڑے کو صاحب اولاد ہونا چاہئے، جو لوگ اولاد کو مؤخر کرتے ہیں بعد میں انہیں اس پر نادم ہونا پڑتا ہے، لاولد شادیاں نت نئے مسائل کو جنم دیتی ہیں، زوجین خواہ ایک دوسرے سے مطمئن ہی ہوں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان پر شدید قسم کی بدمزگی اور بے کیفی مسلط ہو جاتی ہے، گویا کہ وہ اپنے سفر کے اختتام پر پہنچ گئے ہوں...... ضبط ولادت سے عورت کی مادری جبلت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے جس سے اس کا نظام اعصاب پراگندہ ہو سکتا ہے، اس کی صحت تباہ ہو سکتی ہے اور زندگی میں اس کی تمام خوبیاں

اور دلچسپی خاک میں مل سکتی ہے''۔ طلاق کی شرح سب سے زیادہ ان خاندانوں میں ہے جن میں شادی کا نتیجہ اولاد سے محرومی اور بچوں کی تعداد میں کمی ہے''۔

''اسقاط حمل کے بعد انسان میں جرم کا احساس، جنسی تعلقات میں بگاڑ اور ذہنی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، مطالعہ بتاتا ہے کہ اسقاط حمل کرانے والی عورتوں کی زیادہ تعداد حالات کے ساتھ مطابقت نہیں کر پاتی، یوگوسلاویہ میں ایک مطالعے کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ اسقاط کرانے والی صرف ۲۴ فیصد عورتیں نارمل رہ سکیں''۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جن بچوں کو دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنے سہنے، کھیلنے کودنے اور معاملات کرنے کا موقع نہیں ملتا وہ انسانیت کے اعلیٰ خصائص سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ جنسی تسکین کے لئے ازدواجی ذرائع مہیا کرتے ہوئے غیر ازدواجی ذرائع کی انتہائی سختی سے حوصلہ شکنی کرتا ہے، جب کہ ضبط تولید کے ذریعے غیر ازدواجی ذرائع کی بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طریقوں سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور جنسی انارکی عام ہو جاتی ہے، ایڈز کا مہلک مرض جو کینسر کی طرح دنیا میں پھیل رہا ہے، وہ کم و بیش اسی جنسی انارکی کا نتیجہ ہے، روزنامہ اسلام کراچی کی اشاعت (۷ رستمبر ۲۰۰۲ء) کے مطابق ''چین کی وزارت صحت نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ چین میں ایڈز کا مرض تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے، ترجمان کے مطابق اس وقت چین میں دو لاکھ سے زائد افراد اس موذی مرض کا شکار ہو چکے ہیں''۔

راقم الحروف کے نزدیک ایڈز کی بیماری مغربی دنیا میں بڑھتی ہوئی اباحت پسندی، فحاشی، زنا کاری، مرد و زن کا بے محابا اختلاط، والدین اپنے نوعمر بچوں کو فرینڈز بنانے اور جنسی تعلق قائم کرنے سے تنبیہ کرنے کو قابل سزا جرم قرار دیا جانا، مخلوط طرز معاشرت، مخلوط تعلیم، صنعتی اور تجارتی اداروں میں مخلوط ملازمتیں و خدمات، دینی و مذہبی تعلیم سے بے زاری، مخلوط کھیل اور تفریح کے مقامات پر آزادانہ مخلوط میل جول، تہذیب نو کی چمک دمک اور معیار زندگی بلند کرنے کا دیوانگی کی حد تک بڑھا ہوا شوق اس کے اسباب میں شامل ہے، جن میں حکومتوں کے نافذ کردہ قوانین نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پاکستان میں (اور یہی بات بعض دوسرے ممالک میں بھی صادق آتی ہے) کنٹراسیپٹوز اور مانع حمل ٹیکے اور گولیوں کے بڑھتے ہوئے استعمال کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مردوں کا قابل ذکر حصہ بہتر زندگی گزارنے کی خواہش میں یورپ، امریکہ، خلیجی اور دوسرے ممالک چلا جاتا ہے، جب کہ اس کے بیوی بچے اپنے ممالک میں رہتے ہیں جس کی وجہ سے عورت اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے زیر اثر بے راہ روی اختیار کرتی ہے اور اپنی اس بے راہ روی کے اثرات کو چھپانے کے لئے مانع حمل ٹیکے اور گولیاں استعمال کرتی ہے، ان مانع حمل ٹیکوں اور گولیوں کے استعمال کے اثرات کے بارے میں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

چنانچہ اسلامی معاشرہ ضبط تولید کو اس کے ہمہ گیر برے اثرات کے پیش نظر برداشت نہیں کر سکتا، بلکہ کوئی بھی معاشرہ جو جلد تباہ نہ ہونا چاہتا ہو، ضبط تولید کے تباہ کن معاشرتی نتائج سے صرف نظر نہیں کر سکتا، پاکستان میں جو لوگ ضبط تولید کی حمایت کرتے ہیں وہ حقیقتاً مغربی ثقافت کی اتباع میں جنسی تسکین کو اہمیت دیتے ہیں اور اس مذموم جذبے کی شدت قرآن کریم کے الفاظ میں یہ صورت پیدا کرتی ہے۔

(وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینھم فھم لا یبصرون) (یٰس : ۹)

اور ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنا دی ہے، سو اس طرح ہم نے ان کو ہر طرف سے ڈھانپ دیا ہے، لہٰذا اب وہ (حقیقت) نہیں دیکھ سکتے۔

اور جنسی جذبات کی شدت نے ان کا یہ حال کر دیا ہے کہ :

انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا فھی الی الاذقان فھم مقمحون).

(یٰس : ۸)

اور ہم نے ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق ڈال دیے ہیں جس سے

ان کے سراوپر اٹھے ہوئے ہیں۔

اس مضحکہ خیز حالت میں وہ غیر اسلامی نظریات کے پیچھے بگٹٹ دوڑے چلے جارہے ہیں، سراوپر اٹھے ہوئے ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ بھی نہیں سکتے کہ وہ سامنے آنے والی تباہی کے کس گڑھے میں گرنے والے ہیں اور پاکستانی معاشرے کو بھی اپنے ساتھ تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

مغربی ممالک ہمیں اس شرط پر امداد (Aid) دیتے ہیں کہ ہم اپنے ملک کی آبادی کو کنٹرول کریں گے، کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ اگر مسلم ممالک کی آبادی کنٹرول نہ کی گئی تو یہ ہمیں کنٹرول کرلیں گے، اس لئے یہ ہمیں ڈراتے ہیں کہ آبادی میں اضافہ ہوتا رہا تو موجودہ وسائل ناکافی ثابت ہوں گے، جب کہ عالمی بینک کی ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ کے مطابق آئندہ پچاس برسوں میں دنیا کی مجموعی آبادی ۹ ارب تک پیداوار ۱۴۴۰ کھرب ڈالر ہوجائیں گے، یعنی آبادی میں صرف ۵۰ فیصد جب کہ پیداوار میں ۴ گنا اضافہ ہوگا، غالباً یہی وجہ ہے جو مغربی ممالک ہمیں آبادی میں اضافے سے روکنے پر اپنا تمام زور صرف کر رہے ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آبادی ڈیڑھ گنا بڑھے گی تو پیداوار ۴ گنا بڑھے گی، لیکن ہمارے ملک کے حکمرانوں کو چونکہ صرف فیملی پلاننگ کے نام پر ملنے والے فنڈز سے دلچسپی ہوتی ہے لہٰذا وہ بھی ہر وقت یہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ "بچے دو ہی اچھے" (اور بچے پوچھتے رہتے ہیں کہ ابو کون سے والے دو اچھے؟) اور آخر کار حکومت فنڈز (کا بڑا حصہ) ہڑپ کر کے فیملی پلاننگ میں ناکام ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو تمام تر مادی وسائل سے نوازا ہے، اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنی محنت اور دیانت سے ان وسائل سے فائدہ اٹھائیں، زمینوں کے سینے چیر کر اس سے معدنی دولت حاصل کریں، مگر ہم نے محنت ودیانت کا مظاہرہ نہ کیا، نتیجتاً آج ہم بھیک کے ٹکڑوں پر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں اور اربوں ڈالر قرضوں کے بوجھ تلے پوری قوم دبی ہوئی ہے، جس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں کی جاتی، یہ قرضے روز روز بڑھتے جارہے ہیں اور ہماری آزادی سرمایہ دار ممالک اور مالیاتی اداروں کے ہاتھوں گروی رکھی جاچکی ہے۔

اپنے مادی وسائل کو اپنے ہاتھوں تباہ کرنا ایک انتہائی افسوسناک عمل ہے، لیکن اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم اپنے انسانی وسائل کا گلا خود اپنے ہاتھوں گھونٹ دیں۔

مسیحی دنیا کے پیشوا پاپائے روم کا فرمان "زیادہ بچے پیدا کریں"

بی بی سی نے اپنی ایک ویب سائٹ پر ایک رپورٹ جاری کی ہے جس میں پوپ جان پال دوم کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یورپین زیادہ بچے پیدا کریں، بی بی سی کے مطابق "رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ جان پال دوم نے اطالوی پارلیمنٹ سے پہلا خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اپنی مسلسل گرتی ہوئی شرح پیدائش کو بہتر بنانے کے لئے مزید بچے پیدا کریں، انہوں نے اٹلی میں گرتی ہوئی شرح پیدائش کو ایک بحران سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ "سیاست دانوں کو ایسے اقدام کرنے چاہئیں جن کے نتیجے میں سماجی اور معاشی طور پر ماں باپ بننا سہل ہوسکے"۔

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ عالمی ادارے صرف مسلم ممالک میں تخفیف پیدائش کے پروگرام چلاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی آبادی کو کم سے کم کیا جاسکے اور خود اپنے سیاست دانوں کو زیادہ بچے پیدا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، پاکستان کے گلی گلی، کوچے کوچے میں خاندانی منصوبہ بندی کے مراکز کھلے ہوئے ہیں، غیر ملکی این جی اوز گھر گھر جاکر خواتین کو کم بچے پیدا کرنے کا مشورہ دیتی ہیں، "ساتھی" کا دور دورہ تھا، آج کل "سبز ستارہ" چہار سو جگمگا رہا ہے، ٹی وی پر خاندانی منصوبہ بندی کے فحش اشتہارات کی بھرمار رہتی ہے، مغرب کی منافقت دیکھئے کہ خود اپنے ہاں زیادہ بچے پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے جب کہ مسلم ممالک میں "منصوبہ بندی" کو فروغ دینے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ

آخر میں خاندانی منصوبہ بندی کے

بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے فیصلہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے زیرِ غور آیا تھا، اس زمانے میں راقم الحروف کونسل کا چیئرمین تھا، کونسل نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ :

۱-ضبط تولید جسے خاندانی منصوبہ بندی (اور اب جسے بہبود کا خوب صورت نام دیا گیا ہے) کو ریاست کی باقاعدہ پالیسی کے طور پر اپنانا اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔

۲-ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کی وجہ سے معاشرہ اعتقادی ارتداد، بے حیائی، قومی سطح پر جنسی بے راہ روی، ملکی دفاع اور معاشی ترقی کے لئے درکار افرادی قوت میں کمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

۳-ضبط تولید (برتھ کنٹرول) سے نفسیاتی اور اعصابی تناؤ کے سبب بسا اوقات ماؤں اور بچوں کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے۔

۴-البتہ از روئے شریعت بعض صورتوں میں عزل کی جو اجازت انفرادی طور پر دی گئی ہے، وہ مندرجہ ذیل حالات کے پیش نظر ہے :-

(الف) جب حمل کا ٹھہرنا بیوی کی صحت کے لئے نقصان دہ ہو۔

(ب) جب کہ بیوی بیمار ہو اور حمل کے سبب اس کی بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو۔

(ج) جب کہ ماں کا حاملہ ہونا، ماں چھاتی سے دودھ پیتے بچے (موجود) بچے کی پرورش کے لئے نقصان دہ ہو۔

واضح رہے کہ "رزق کی تنگی کا خوف" (جس کو قرآن کے الفاظ میں "خشیۃ املاق" کہا گیا ہے) اسلام کے کسی دور میں بھی جائز سبب کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ یہ تصور ہی قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

کونسل نے اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہ آبادی میں اضافے سے قومی وسائل میں کمی واقع ہوجائے گی، یہ رائے ظاہر کی کہ یہ دلیل درحقیقت غلط ثابت ہوچکی ہے، لیکن مغربی پروپیگنڈہ اپنی بدنیتی کے باعث تیسری دنیا کے ممالک بالخصوص مسلم اقوام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کررہا ہے۔

بقیہ.....ہمارے معاشرے کے.....

کا کسی طرح کا نقصان گوارا نہ کرے گا، اس کی بے عزتی اور بدنامی کو قبول نہ کرے گا، نہ خود اس کے دل کو دکھائے گا اور نہ کسی اور کو اس کا دل دکھانے دے گا بلکہ اس کی ترقی سے خوش ہوگا اور اس کے فائدے کو ایک حد تک اپنا فائدہ سمجھے گا، کوئی ترشی، تلخی اتفاقاً پیدا ہوجائے گی تو اس کو نظر انداز کردے گا اور کسی موقع پر عداوت کے کچھ اسباب پیدا ہوجانے پر کوشش کرے گا کہ وہ اسباب اثر انداز نہ ہوں اور اثر انداز ہوجائیں تو جلد از جلد ان کا ازالہ ہوجائے۔ اس کے کاروبار کو گرنے سے بچائے گا۔ اس کے سودے پر مداخلت کرکے اپنا سودا نہ شروع کردے گا، اس کی خوشی وغم کو اپنی خوشی وغم سمجھے گا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو کسی کو بھائی سمجھنے کی صورت میں خود بہ خود ظہور میں آجاتی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کا علیحدہ علیحدہ حکم بھی اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات میں مل جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہیں تشریف لئے جارہے ہیں۔ راستہ میں صحابہ ہی کی ایک جماعت ملتی ہے جس کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری رکھی ہے۔

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی مدعو کرتے ہیں لیکن حضرت ابوہریرہؓ کھانے کو دیکھ کر سر جھکا لیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آجاتا ہے اور آپ کے کھانے بھی سامنے آجاتے ہیں، دل بے چین ہوجاتا ہے۔ گلوگیر آواز میں صحابہ کو جواب دیتے ہیں، نہیں بھائی میں نہیں کھاسکتا ہوں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن خدا کی قسم جو کی روٹی بھی اتنی نہ تھی کہ آپ آسودہ ہوجاتے۔

راوی کا کہنا ہے کہ لوگوں کا یہ سننا تھا کہ سب کے دل مغموم ہوگئے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

محمد یوسف رحمت اللہ

"وندے ماترم" کا پس منظر

"وندے ماترم" کا ترانہ آزادی سے قبل سے لے کر آج تک متنازعہ فیہ رہا ہے چونکہ یہ گیت خالص مشرکانہ اور ملحدانہ رہا ہے۔ اس لئے کبھی بھی مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ رہا کیونکہ شرک سے سمجھوتہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں نے اور مسلم لیگ نے آزادی سے قبل جم کر اس کی مخالفت کی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس کو قومی ترانہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ سبھاش چندر بوس باوجود بنگالی ہونے کے بنگالی گیت کے مخالف تھے۔

انڈین نیشنل کانگریس نے بعض اجزاء کو فرقہ وارانہ اور متنازعہ قرار دے کر حذف کر دیا تھا۔ آل انڈیا طلباء یونین نے بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ یہ ترانہ فرقہ وارانہ جذبات کے باعث جذبات کو مشتعل کرتا ہے اس لئے طلباء کے اجتماعات کے لئے موزوں نہیں (اسٹیٹمین) ۱۲؍دسمبر ۱۹۸۳) بنگال کے مشہور سوشلسٹ لیڈر کانگریس میں مشہور تھے۔ کہا تھا کہ وندے ماترم کے خلاف مسلمانوں کی نکتہ چینی صحیح بنیاد پر قائم ہے۔ ڈاکٹر لوہیا آنجہانی جو اس وقت کانگریس میں تھے کہا تھا "آنند مٹھ" ہماری قومی تحریک پر ایک داغ ہے۔ اس میں ایک جملہ اب انگریز آگئے ہیں ہماری جان ومال کو امان ملے گی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ناول جس کے اندر یہ گیت شامل ہے ہماری قومی تحریک کے لئے بھی شرمناک ہے۔ (جریدہ انصاری ۱۸؍اگست ۱۹۸۲)۔

آزادی کے بعد کانگریس کے بعض حلقوں نے وندے ماترم کو بڑھاوا دیا اور سرپرستی کی کانگریسی کارکن بے وقت گنگناتے رہتے، کچھ ہی سال پہلے مہاراشٹر میں وندے ماترم کے تحریک کے خلاف مہاراشٹر مسلم لیگ نے موثر مہم چلائی تھی حال ہی میں پارلیمنٹ میں اس ترانہ کو پڑھنے کی تجویز منظور کر لی گئی۔ حیرت مسلم ارکان پارلیمنٹ پر ہے جنہوں نے اس کی مخالف میں آسمان سر پر کیوں نہیں اٹھالیا۔ یوپی میں بی ایس پی اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی مشترکہ حکومت کے دور میں وندے ماترم کو اسکولوں میں پڑھانے کی تحریک شروع ہوئی۔ ۱۵؍اگست ۱۹۹۷ سے جب کہ حکومت ہند نے آزادی کے ۵۰ سال مکمل ہونے کی مسرت میں گولڈن جوبلی منانے کا فیصلہ کیا تو ۱۳ جماعتی متحدہ محاذ کی مرکزی حکومت میں بھی دوردرشن پر مختلف اور مختلف انداز میں وندے ماترم کی ترویج کا کام انجام دیا جاتا رہا۔

وندے ماترم کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

میں تیرا بندہ ہوں اے میری ماں
میرے اچھے پانی اچھے پھلوں
بھینی خشک جنوبی ہواؤں
شاداب کھیتوں والی میری ماں
حسین چاندنی سے روشن رات والی
شگفتہ پھولوں والی گنجان درختوں والی
میٹھی سے میٹھی زبان والی
سکھ دینے والی برکت دینے والی میری ماں
۳۰ کروڑ لوگوں کی پرجوش آوازیں
۶۰ کروڑ بازوؤں میں سنبھلنے والی تلواریں
کیا اتنی قوت کے ہوتے ہوئے بھی
اے ماں تو کمزور ہے
تو ہی ہمارے بازوؤں کی قوت ہے
میں تیرے قدم چومتا ہوں میری ماں
تو ہی میرا علم ہے تو ہی میرا دھرم ہے
تو ہی میرا باطن ہے تو ہی میرا مقصد ہے
تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے تو ہی بازوؤں
کی قوت ہے
تیری ہی محبوب مورتی ہے ایک ایک مندر میں
تو ہی درگا ہے دس مسلح ہاتھوں والی
تو ہی کملا ہے کنول کے پھولوں کی بہار
تو ہی پانی ہے علم سے بہرہ ور کرنے والی
میں تیرا غلام ہوں غلام کا غلام ہوں
غلام کے غلام کا غلام ہوں
اچھے پانی اچھے پھلوں والی میری ماں تیرا
بندہ ہوں
لہلہاتے کھیتوں والی مقدس موہنی آراستہ پیراستہ
بڑے قدرت والی قائم ودائم میں تیرا بندہ
ہوں

آنند مٹھ

یہ ایک حقیقت ہے کہ بنکم چندر چٹرجی نے "حاجی محسن فنڈ" کے وظیفے پر تعلیم جاری رکھی اور بی اے پاس کیا اور آنند مٹھ لکھ کر محنت کشی کی (علامہ رشدی، زمیندار اخبار ۱۲؍اکتوبر ۱۹۷۳ لاہور) وندے ماترم کا یہ گیت جو آنند مٹھ نامی بنگالی زبان کے ناول میں شامل ہے اس فرضی کہانی میں یہ ترانہ ہندوؤں کی ایک خفیہ مذہبی و نیم سیاسی جماعت کا تھا جس کے بارے میں یہ داستان گھڑی گئی تقریباً ۱۷۰ سال قبل (ناول لکھے جانے سے) بنگال میں مسلمانوں کی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے سازشیں ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کی حکومت کو مٹانے، ہندوؤں کی حکومت قائم کرنے کے لئے وندے ماترم کو نعرہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ناول کا ہیرو ایک سنیاسی ہے جس کے ذریعہ داستان بیان کی گئی ہے اس کا نام بھوانندہ ہے۔ وہ اپنے مشن کے لئے لوگوں کو بھرتی کرتا ہے۔ اس دوران اس کی ملاقات ایک نوجوان مہندر سے ہوتی ہے اس کو وہ وندے ماترم کے معنی سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک اس ملک سے مسلمانوں کو نہ نکال دیا جائے نہ تیرا دھرم محفوظ ہے اور نہ تو اپنے دھرم پر رہ سکتا ہے تب مہندر پوچھتا ہے کیا تم تنہا مقابلہ کرو گے؟ بھوانندہ جواب دیتا ہے جب ۳۰ کروڑ آوازیں بلند ہوں گی جب ۶۰ کروڑ تلواریں دونوں ہاتھوں میں ہوں گی کیا اتنی قوت ہوتے ہوئے بھی ہماری ماتا کمزور ہو سکتی ہے۔

(وندے ماترم کا تیسرا بند ملاحظہ کیجئے)

تب بھی مہندر کو اطمینان نہیں ہوتا تو بھوانندہ کہتا ہے۔ مسلمانوں کی قوت تیری کاہلی اور سستی ہے انگریز جنگ سے نہیں بھاگتا چاہے اس کی جان خطرے میں ہوں مگر مسلمان ایسا بزدل ہے ذرا سے خطرے کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پسینہ آتے ہی بھاگ نکلتا ہے۔ دوسری صبح بھوانندہ مہندر کو آنند مٹھ لے جاتا ہے یہی ناول کا عنوان ہے۔ مندر کا برہمچاری مہنت اس کو لے کر مندر کے اندر جاتا ہے، مندر نیم روشن ہے لیکن مندر میں جانے کا راستہ تاریک ہے، مہندر مندر میں داخل ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے وشنو کی بڑی مورتی ایک ہاتھ میں سنکھ دوسرے ہاتھ میں رنگ (کڑا) تیسرے ہاتھ میں ڈنڈا چوتھے ہاتھ میں کنول اس کے دائیں جانب لکشمی بائیں جانب سرسوتی کی مورتی ہے وشنو کی مورتی کے گود میں اور اس کے چرنوں میں خون آلود سر دکھائے گئے ہیں۔ برہمچاری پوچھتا ہے تو نے کیا دیکھا؟ مہندر کہتا ہے ہاں مگر وہ کون ہے؟ (برہمچاری کہتا ہے) وہ ماتا ہے وندے ماترم کہو۔ مہندر کو ایک اور حجرے میں لے جایا جاتا ہے یہاں درگا دیوی کی مورتی ہے بہت بڑی اور شاندار برہمچاری کہتا ہے ہم تجھے ڈنڈوت کرتے ہیں اے ماتا درگا جس کے دس ہاتھ ہیں وہ لکشمی ہے جو کنول میں رہتی ہے اور تو دانی جو ہمیں علم دیتی ہے۔

(وندے ماترم کا چوتھا بند ملاحظہ کیجئے)

اب مہندر میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ خون میں قسم کھانے کی حرارت پیدا ہوتی ہے اب وہ کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں۔ ناول کے تیسرے حصے کے آٹھویں باب میں قتل وخون لوٹ مار کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جس سے ہندو ویروں میں بھارت ماتا کی سیوا کا ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہیں۔ مسلمان ہر طرف سے جان بچا کر بھاگ رہے ہیں ایک شور برپا ہے مسلمانوں کو مارو لوگوں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ وندے ماترم کا نغمہ فضاء میں بکھر رہا ہے۔ ماتا کے سیوکوں سے یہ بات کہلوائی جا رہی ہے جو در اصل ناول لکھنے کی غرض ہے۔

بھائی وہ دن کب آئے گا جب ہم مسجدوں کو مسمار کریں گے اور ان کی جگہ راجھا اور مہادیو کے مندر بنائیں گے۔ آخر میں آنند مٹھ کا ہیرو اپنی سیوکوں سے کہتا ہے۔ اب انگریز آگئے ہیں ہمارا جان ومال کو امان ملے گی۔ یہ جملہ انتہائی قابل غور ہے کہ جس ناول میں انگریزوں کی آمد کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور ان کو خفیہ محافظ بتایا گیا ہے۔

گولڈن جوبلی تقاریب کے موقع پر جو ملک سے انگریزوں کو نکالنے اور آزادی حاصل کرنے کی خوشی میں منائی جا رہی ہے ٹی وی پر وندے ماترم کی تشہیر وترویج کا کیا جواز تھا تو کیا مسلمان اس بات کے لئے حق بجانب نہیں ہے کہ وندے ماترم نہ پڑھیں اور پڑھے جانے کے موقع پر احتراماً کھڑے نہ ہوں۔

مغربی عورت اسلام کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا

ایک نومسلم تعلیم یافتہ جاپانی خاتون کے تاثرات

کثیر الاشاعت جاپانی اخبار ''دی ٹائمز'' میں چھپی خبر کے مطابق ایک تعلیم یافتہ جاپانی خاتون نے جاپان کی راجدھانی ٹوکیو میں اسلام قبول کرلیا۔ اس نے اخبار کو اپنے نام کی اطلاع دیتے ہوئے ان الفاظ میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا:

''میں ایک خوشحال خاندان کی چشم وچراغ ہوں بچپن ہی سے میری زندگی تعیش اور مسرتوں کے ماحول میں گزری ہے۔ میری والدہ جنہوں نے میرے والد کے انتقال کے بعد گھر کا کاروبار سنبھال لیا تھا، نے میری اور میری بہنوں کی بہبود کے لئے کامیاب کوششیں کی تھیں، یہاں تک کہ ہمارے آرام وراحت کا ہر طرح کا سامان ہمارے گھر میں موجود تھا لیکن میں اس کے باوجود اپنی زندگی میں کسی کمی کا احساس رکھتی تھی، یہ احساس جسے میں خود بھی مختص نہیں کر پاتی تھی مجھے ہر وقت بے چین کئے رکھتا تھا، میں اپنے گہرے علمی مطالعے اور کثیر وقتی مشغولیت کے ذریعہ اس احساس پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

جب میں نے بارہویں جماعت کا امتحان پاس کیا تو مجھے اپنے خاندان کے ساتھ دنیا کے کچھ ملکوں کی سیاحت کا موقع ملا۔

ایک مرتبہ یونیورسٹی کی چھٹیوں میں میں نے اور میری کچھ ہم جماعت سہیلیوں نے اردن کی سیر کا پروگرام بنایا، میری ایک سہیلی نے جو اس سفر میں ہمارے ساتھ تھی اردن میں ایک مسلم خاندان کے ساتھ کچھ دن قیام کا پروگرام ترتیب دے لیا، مجھے جب اس مسلم خاندان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو مجھے اس کے رہن سہن کے طور طریقوں نے بہت متاثر کیا، خاندان کے افراد باہم شیر وشکر رہتے، ہر کام میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے صفائی کا بہت اہتمام کرتے، خاندان کے ذمہ دار (Head of the Family) جو کہ ایک مرد تھے وہ گھر کے باہر کی ذمہ داریاں سنبھالتے، گھر کی عورتیں گھر کے اندر کا نظم ونسق اور بچوں کی تربیت کا انتظام دیکھتیں۔ گھر کے افراد کے درمیان باہمی تعاون اور ترتیب کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد اپنے اوپر اپنی طاقت سے زیادہ ذمہ داریاں محسوس نہیں کرتا تھا جیسا کہ مغربی خاندان میں ملازمت پیشہ عورتیں مردوں کے مقابلے میں خود کو زیادہ تھکی تھکی محسوس کیا کرتی ہیں، گھر کے اس ماحول نے گھر کو جنت نشان بنا رکھا تھا۔

میں نے ایک دن ہیڈ آف دی فیملی سے اس کا راز پوچھا تو اس نے مسکرا کر جواب دیا کہ دراصل یہ اسلام کی برکت ہے جس نے خاندان کے افراد کے درمیان کاموں کی کچھ اس طرح ترتیب وتقسیم قائم کی ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ خوشی اور شادمانی ہی برآمد ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام نے مرد کو کسب حلال اور گھر کے بیرونی امور کا ذمہ دار قرار دیا ہے جب کہ عورت کو گھر کے اندرونی امور اور بچوں کی تربیت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس طرح انہوں نے بتایا کہ اسلام نے صفائی پر بہت زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ صفائی کو دین کا ایک حصہ قرار دیا ہے، انہوں نے بتایا کہ صفائی کا مفہوم اسلام میں ایک وسیع مفہوم ہے، جسم اور کپڑوں کی صفائی، گھر کی صفائی، گلی اور محلے کی صفائی، شہر کی صفائی، ماحول اور معاشرے کی صفائی، دل اور نیت کی صفائی، اور معاملے کی صفائی وغیرہ۔

اسلام کے معاملے میں میری معلومات بہت محدود تھیں، اس سے پہلے میں نے کسی نہ کسی مسلمان سے ملاقات کی تھی اور نہ ہی کسی مسلمان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا تھا، میرے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر تھی وہ یہ تھی کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے اس کے ماننے والے گندے، تنگ نظر اور علم دشمن لوگ ہوا کرتے ہیں، ان کے پاس سوائے دولت اور پٹرول کے کچھ نہیں، میں سوچا کرتی تھی

کہ اسلام عورتوں پر ظلم کو روا رکھتا ہے، اسلام کے بارے میں میرے یہ خیالات مغربی میڈیا میں چھپنے والی خبروں اور مضامین سے تشکیل پائے تھے کیونکہ مغربی اخبارات، ٹیلی ویژن اور کتابیں ہی اس سلسلے میں میری معلومات کا ذریعہ تھیں۔ جاپان لوٹنے کے فوراً بعد مجھے دین اسلام کے براہ راست مطالعے کا خیال پیدا ہوا اور ٹوکیو میں قائم اسلامی مرکز جا کر میں قرآن کریم کے ترجمہ کا ایک نسخہ اور کچھ اسلامی کتابیں لے آئی اور مطالعہ شروع کردیا، میں نے سب سے پہلے پیغمبر انسانیت حضرت محمدؐ کی سیرت پر کتاب کا مطالعہ کیا جن کی زندگی نے مجھے بہت متاثر کیا، میں نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ بار بار عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرماتے ہیں، اس کے بعد مرکز اسلامی جانا میرا معمول بن گیا وہاں میں نے بعض علماء سے بھی ملاقات کی جنہوں نے میرے ہر اس سوال کا کافی اور شافی جواب دیا جو اسلام کے بارے میں میرے دل میں کھٹکتا تھا، ان علماء کے اندر علم کی گہرائی وگیرائی، کردار کی پختگی، حالات کی نبض شناسی، خوش اخلاقی اور دوسروں کی عزت واحترام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، میں گھنٹوں ان کے ساتھ علمی بحث کرتی لیکن وہ میری ہر بات کا نہایت خوش اخلاقی اور بشاشت کے ساتھ جواب دیتے جب کہ اپنے بعض بڑے بڑے پروفیسروں اور استادوں کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ چند گھنٹوں کی ملاقات کے بعد ہی میری خوبصورتی پر فریفتہ ہوجاتے اور ان کے دل میں میرے جنسی استحصال کا جذبہ انگڑائی لینے لگتا تھا۔ مجھے ٹوکیو کے اسلامی مرکز میں سکونت پذیر ان علماء کی محبت ہمیشہ یاد رہے گی جو ڈیر ڈاٹر، ڈیر سسٹر (پیاری بیٹی، پیاری بہن) جیسے محبت بھرے الفاظ اور لہجے کے علاوہ کبھی مجھ سے مخاطب نہ ہوتے تھے۔

میں اپنے مطالعے کے ذریعہ اسلام کی جتنی گہرائی میں پہنچتی گئی میرا یہ احساس اور تاثر زیادہ ہوتا گیا کہ اسلام پوری دنیا کے لئے دین رحمت ہے اور اس نے انسان کی زندگی کا سب سے زیادہ متوازن نظام پیش کیا ہے، عورت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات پڑھ کر میرے تعجب کی انتہا نہ رہی یہ تعلیمات اس تصویر کے بالکل برعکس تھیں جو مغربی میڈیا کے ذریعہ میرے ذہن میں قائم ہوئی تھیں، میں نے اس دوران بعض دیگر عالمی مذاہب کا بھی مطالعہ کیا اور پایا کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دئے ہیں وہ کسی اور مذہب نے نہیں دئے نیز میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ موجودہ معاشرتی نظام یا حقوق نسواں کی تحریکیں عورتوں کو جو حقوق دیتی ہیں جن کا وہ مطالبہ کرتی ہیں وہ غیر متوازن اور غیر عادلانہ ہیں، اسلام عورت کو ایک مستقل شخصیت تسلیم کرتا ہے، اس کو اپنے شوہر کے ذریعہ اپنی شناخت بنانے یا شوہر کا دست نگر رہنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب کا حال ہے کہ وہ عورت کو شوہر کی شخصیت میں ضم ہوجانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک عورت اپنے نام، اپنی شخصیت اور اپنے مال کے بل پر باعفت اور باعزت طریقے پر زندہ رہ سکتی ہے۔

میرے لئے اسلام کی اس تعلیم کی دریافت کسی پلانٹ (سیارے) کی دریافت سے کم نہ تھی کہ اسلام نے اب سے چودہ سو سال پہلے عورت کو حق ملکیت عطا کیا تھا اور اسے اپنے مال میں بغیر شوہر کی مداخلت کے تصرف کا حق دلایا تھا جب کہ یورپ نے چند سو سال پہلے عورت کے اس حق کو تسلیم کیا ہے وہ بھی اس احسان عظیم کے ساتھ کہ گویا وہی دنیا میں سب سے پہلا عورت کا نجات دہندہ ہے۔

اس طویل مطالعے اور گہرے غور وفکر کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور قبول اسلام کے بعد نماز شروع کردی۔ میں نے پچھلے رمضان کے روزے بھی رکھے ہیں اور قرآن کی کچھ سورتیں بھی یاد کی ہیں جو مجھے نماز کی اچھی طرح ادائیگی میں مدد دیتی ہیں۔ اس وقت مجھے عربی زبان سیکھنے کی لگن ہے جو میں ''مرکز اسلامی ٹوکیو'' میں سیکھتی ہوں اور کچھ عرصے بعد مصر جا کر جامعہ ازہر میں داخلے کا ارادہ ہے۔ وہاں سے واپسی پر میری زندگی کا سب سے بڑا کام دین رحمت کی تبلیغ ہوگا جو میری آخری آرزو ہے، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اسلام کے بارے میں مغربی عورتیں غلط فہمی میں مبتلا ہیں اگر ان پر اسلام کی صحیح تعلیمات واشگاف ہوں تو لاکھوں مغربی عورتیں دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں گی''۔

سفینہ عرفات

یہ محبت ہے کہ اندھی تائید؟

چاہے زر رہے نہ زمین رہے، چاہے کوئی وسیلہ رہے نہ ذریعہ رہے، چاہے آرام رہے نہ آسائش رہے، چاہے محل نما گھر رہے نہ قیمتی سواری رہے، چاہے شہرت رہے نہ حیثیت رہے، ان سب چیزوں کے بغیر بھی ایک انسان کا گزارا ہوسکتا ہے اگر صرف محبت رہے، محبت کے سامنے یہ تمام آرام و آسائش کی چیزیں ہیچ ہیں کیونکہ محبت وہ راحت دیتی ہے جو ان مادی چیزوں سے قطعاً حاصل نہیں ہوتی، محبت کسی بازار میں نہیں بکتی، قیمت ادا کر کے اسے خریدا نہیں جاسکتا، نہ ہی کسی قیمتی شئے کی طرح اپنے گھر کے شوکیش میں سجایا جاسکتا ہے۔ یہ تو انسانوں کے دلوں میں بحر بیکراں کیطرح موجزن رہتی ہے۔ اس کائنات کے خالق نے اپنی مخلوق کے قلوب میں محبت و مودت کے جذبات کو ودیعت کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم سب اپنے عزیز رشتہ داروں کے تئیں اپنے اندرون میں محبت کا ایک ایسا منبع رکھتے ہیں جس کی پیائش کسی بھی پیمانے سے ممکن نہیں، جسے الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا آسان نہیں، یہ بس ایک نفیس و لطیف احساس ہے، ایک پاک جذبہ ہے، ایک روحانی اور قلبی کیفیت ہے۔ اسی محبت کی بنیاد پر ہمارے اپنے ہماری اپنی کمزوری بن جاتے ہیں، ظاہر ہے جنہیں ہم بے انتہا چاہیں ان کی ذرا سی تکلیف ہم سے برداشت کیسے ہوگی؟ یہ محبت ہی کا معجزہ ہے کہ جب اپنوں کو زخم لگتے ہیں، درد ہم اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ کوئی عزیز رشتہ دار بیمار ہو، کسی مصیبت میں مبتلا ہو یا اسے کوئی حزن پہنچا ہو اور ہم ان سب چیزوں سے لاتعلق رہیں ایسا ان لوگوں کے لئے قطعی ممکن نہیں ہوسکتا جو سچی محبت رکھتے ہیں۔ ایک ماں کیسے تڑپ اٹھتی ہے جب اس کے لختِ جگر کو ہلکی سی خراش بھی آتی ہے۔ اسی طرح ایک باپ، بھائی، شوہر، بیٹا، بہن، بیوی، بیٹی، دوست اور دیگر رشتوں کی بناء پر ہمیں اپنے عزیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ جن سے ہمیں بے پناہ محبت ہے، انہیں ہم ہر لمحہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں، ان کے خلاف کسی تنقید کو، کسی منفی رائے کو، کسی طنز کو سننا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، دراصل یہ ہماری سمندر جیسی گہری سوچ اور وسیع محبتوں کا تقاضہ ہوتا ہے۔ جو ہمیں عزیز از جان ہوتا ہے کیا اس کا نقصان ہمیں منظور ہوگا، کیا ہمیں یہ گوارا ہوگا کہ اس کی شخصیت مسخ ہو جائے، کیا ہم یہ سہہ سکیں گے کہ وہ زمانہ کی ستم ظریفیوں کے حوالے ہو جائے کیا ہم یہ برداشت کرسکیں گے کہ لوگ اس پر لعن طعن کریں، طنز کے تیر برسائیں، کیا ہم اس بات کے متحمل ہوسکتے ہیں کہ ہمارا جانِ عزیز ایک برا انسان کہلائے، کیا ہم میں اس بات کا یارا ہوسکتا ہے کہ اس پر ظلم ہوتا ہوا دیکھیں یا اسے ظلم کرتا ہوا دیکھیں، کیا ہم میں اتنی طاقت بھی ہے کہ اسے ایک ذہنی اور نفسیاتی مریض کے طور پر قبول کریں؟ نہیں نا! (تو پھر ہم، ہمارے اپنوں کی ہر بجا بے بجا بات میں مدافعت کیوں کرتے ہیں؟ ایسا کیسے ہوسکتا کہ کوئی ہمیں عزیز ہو اور ہم اس کی خوشی اور غم سے سروکار ہی نہ رکھیں، اس کے نفع و نقصان کو نہ دیکھیں، ایسا کیوں کر ہوسکے گا کہ کوئی ہمارے انتہائی قریب ہو اور ہم اس سے محبت نہ کریں، مانوس نہ رہیں، منسوب نہ رہیں، بے شک ہماری اتھاہ محبتیں ہمارے اپنوں کے لئے چھلکتی رہیں گی، جنہیں صرف آنکھیں موند کر محسوس کیا جاسکتا، لفظوں سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ محبت کا مطلب خیر خواہی اور بھلائی ہے اگر ہم اپنے عزیزوں سے سچی محبت کرتے ہیں تو پھر ہمیں ان کی ہر معاملے میں آنکھیں بند کر کے عقل و فہم کو قید رکھ کر تائید نہیں کرنی چاہئے، وہ ہمیں دنیا کی تمام تر نعمتوں سے عزیز سہی، وہ ہمارے لئے ہماری محبتوں کا محور و مرکز سہی لیکن ہمیں ان کی اندھی تائید قطعی نہیں کرنی چاہئے۔

ایک ماں ہی کی مثال لیجئے بھلا ایک بچہ کا ماں سے بڑھ کر کون خیر خواہ ہوگا مگر وہ بھی ہر معاملے میں اپنے بچے ہی کی تائید کرتی ہے، چاہے بچہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہو، ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ اس کی اپنے بچہ کے تئیں محبت، اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن اس محبت کا تقاضہ یہ بھی تو ہے کہ اس کا جگر گوشہ ایک اچھا انسان بن کر ابھرے۔ جب بچوں کو ان کی غلط کارروائیوں پر ان کے کسی اپنے سے حمایت ملتی ہے تو وہ اسی روش کو اپنانے لگتے ہیں۔ انہیں روکا نہیں جاتا، ان کی مناسب مخالفت نہیں کی جاتی اور ان کے منفی جذبوں کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی تو وہ نہایت ہی دلیری سے غلط اور ناپسندیدہ کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ بچے اکثر آپس میں لڑتے ہیں اور روتے ہوئے آکر اپنی ماں کو اپنی مظلومی کی اور اپنے مخالف کی زیادتی کی کہانی سنانے لگتے ہیں، اس پر اکثر ماں یہ سوال کرتی ہے، کس نے مارا تمہیں، اس کے بجائے وہ یہ نہیں پوچھتی کہ تم نے کیا کیا؟ اسی طرح کرکٹ کھیل کر بچے پڑوسیوں کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ آتے ہیں اور مائیں شرمندہ ہوکر معذرت کرنے کے بجائے اپنے بچوں کی تائید میں پڑوسیوں سے لڑنے لگتی ہیں۔ ماں کے اس تائیدی رویے سے بچوں میں اپنی غلطیوں پر نادم ہونے کا احساس ہی نہیں پنپتا بلکہ وہ نئی نئی شرارتوں کو اپنی عادت بنا لیتے ہیں اور بتدریج ان میں برائیاں جڑ پکڑنے لگتی ہیں، وہ جارحانہ رویہ اپنانے لگتے ہیں۔

بچوں کو اگر زائد روپے چاہئیں یا پھر انہیں کسی پکنک اسپاٹ پر جانا ہو تو وہ ماں کی خوشامد کرنے لگتے ہیں، انہیں اس بات کی خبر ہے کہ ماں انہیں، نہ نہیں کہے گی، باپ سے وہ کچھ کہیں گے ہی نہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں اپنے والد سے مثبت جواب نہیں ملے گا اور ماں چونکہ بچے کا دل توڑنا نہیں چاہتی لہٰذا جب خرچ کے لئے خاطر خواہ پیسے بھی دے دیتی ہے اور پکنک کی اجازت بھی!

اکثر لوگ کسی بھی معاملے میں بے جا تائید کو محبت کی انتہاء یا پھر سچی محبت پر محمول کرتے ہیں اور مخالفت کو نفرت پر جیسے بڑا بھائی یا بہن اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ان کی غلطیوں پر ڈانٹے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی آپس میں نہیں بنتی، یہ تو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور اگر بھائی بہن یا پھر دو دوست آپس میں کبھی کسی بات کی مخالفت نہیں کرتے، ایک دوسرے کا ہر بات میں فیور کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں یا ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں۔ جان چھڑکنا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اپنی بصارت اور بصیرت سے کام ہی نہ لیں، اچھے اور برے کے فرق کو سمجھنے کے شعور کو زحمت ہی نہ دیں۔

لڑکیاں جب بیاہ کرکے سسرال جاتی ہیں، کبھی سسرال والوں کا رویہ غلط ہوتا ہے تو کبھی خود لڑکیاں غلطی پر ہوتی ہیں لیکن ان کے میکہ میں ایسا کوئی نہیں ہوتا جو انہیں یہ احساس دلائے کہ وہ غلطی پر ہیں، اس کے برعکس لڑکی کی ہر کارروائی کو حق بجانب قرار دیا جاتا ہے، اس سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم ایثار سے کام لو اور سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو بلکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم اپنے شوہر سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ تمہیں علیحدہ گھر میں رکھے۔

دوستوں کی ٹولیاں گلی کوچوں میں، عوامی مقامات پر، بسوں میں اور جہاں ان کا جی چاہے نازیبا حرکتیں کرتی پھرتی ہیں، ایسی غیر شائستگی ظاہر ہے شائستہ اور بااخلاق لوگوں کو گراں ہی گزرے گی جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ان ٹولیوں میں سے کیا کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جو ان چیزوں کی مخالفت کرے یا اپنے دوستوں کی تائید سے گریزاں ہو۔ کچھ اچھے خاندانوں کے لڑکے ان چیزوں کو اپنے تئیں تو غلط سمجھتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ کہیں دوستوں کی خاطر شکنی نہ ہو چپ سادھ لیتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ ہم کسی کی خاطر شکنی نہ کریں لیکن کم از کم جو ہمیں عزیز ہیں انہیں اپنوں کے حوالے نہیں کیا جانا چاہئے۔

اگر ہمیں اپنے عزیزوں سے سچی محبتیں نبھانی ہیں تو ان کا ہر اچھے معاملے میں ساتھ دینا چاہئے اور ہر برے معاملے میں ان کی مخالفت کرنی چاہئے، حوصلہ شکنی کرنی چاہئے، یہی تقاضائے محبت ہے۔

❖ ❖ ❖

کفار کی نقل کیوں؟

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

کفار کے معاشرے کی بساط تمام تر نفسانی خواہشوں اور لذتوں، نام ونمود اور فخر ومباہات پر بچھی ہوئی ہے اور قوت وشوکت کے سائے میں یہ معاشرہ پروش پا رہا ہے، جو طبعی طور پر نفس کو انتہائی محبوب دکھائی دیتا ہے۔

اس کے برخلاف اسلامی معاشرے کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد وقناعت، خداپرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے۔ جس کو طبعی طور پر نفس پسند نہیں کرتا۔

افسوس کہ مسلمان اب اس رو میں بہے جارہی ہیں جو قومیں ان کے اسلاف کے ماتحت اور باج گزار تھیں ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے افکار وخیالات اور ان کی مماثلت اور مشابہت وہم رنگی بھی اختیار کرتے جارہے ہیں اور اپنے اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلاف کے خصائل، عادات اور طور طریقے کو ترک کرتے جارہے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن متمدن قوموں نے انبیائے کرام کے مقابلے میں اپنی قوت کا نعرہ لگایا اور تمدن ومعاشرے میں دنیا سے آگے نکل گئیں۔ انبیائے کرام کی گدڑی، کمبل، عمامہ، دستار، تہبند اور ازار کا مذاق اڑایا اور ان کے مقدس طور طریقوں کا تمسخر کیا تو انجام کار یہ ہوا کہ وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوگئے، کسی کا نام ونشان نہ رہا کسی کو اللہ تعالیٰ نے غرق کردیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کردیا۔ فهل ترىٰ لهم من باقيه

کتاب وسنت کے نصوص سے یہ بات واضح ہے کہ دینی ودنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں شریعت نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا حکم نہ دیا ہو اور پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کردیا ہے کہ صراط مستقیم کا اقتضا یہی ہے کہ اغیار کی مشابہت اور ہم رنگی سے احتراز کیا جائے۔

تفسیر وحدیث، فقہ اور علم عقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ سے خالی نہیں، فقہاء اور متکلمین نے تو اس مسئلے کو باب الارتداد میں ذکر کیا ہے، کہ کن چیزوں کا ارتکاب کرنے سے مسلمان مرتد ہوجاتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے آٹھویں صدی کے مشہور ومعروف عالم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے "اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة اصحاب الجحيم" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے غیروں کی مشابہت اور ان کے تہذیب وتمدن اختیار کرنے پر مختلف پہلوؤں سے کتاب وسنت اور عقل ونقل کی روشنی میں کلام فرمایا ہے کچھ اس میں سے ہم بھی خوشہ چینی کرتے ہوئے یہ چند سطریں ہدیہ ناظرین کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک تمام چیزوں کو خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات وجمادات ہوں ایک ہی مادے سے پیدا فرمایا، مگر اس کے باوجود ہر چیز کی صورت وشکل علیحدہ بنائی تاکہ ان میں باہم امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیوں کہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ وروپ ہے، انسان اور حیوان میں، شیر اور گدھے میں، گھاس اور زعفران میں باورچی خانے اور پاخانے میں، جیل خانے اور شفاخانے میں جو امتیاز ہے وہ اسی ظاہری شکل اور ہیئت کی بنا پر ہے، اگر اس مادی عالم میں ان امتیازات وخصوصیات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس واختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے، تو پھر مختلف چیزوں کی نوعیت کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح دنیا کی قومیں ایک باپ ہونے کے باوجود اپنی معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں مذہب وملت کے اختلاف کے علاوہ ہر قوم کا تمدن، اس کی تہذیب، اس کا معاشرہ، اس کا طرز لباس، خورد ونوش کا طریقہ دوسری قوم سے جدا ہے اور ایک خدا کے ماننے کے باوجود ہر ایک کی عبادت کی صورت وشکل علیحدہ ہے، ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہی قوموں کی وہ خصوصیات وامتیازات ہیں اور یہی مخصوص شکلیں اور ہیئتیں ہیں جن سے ان کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں، جب تک کسی قوم کے اندر اس کے تشخصات وامتیازات اور مذہبی ومعاشرتی خصوصیات کی حفاظت باقی رہے گی وہ قوم بھی مستقل اور زندہ باقی رہے گی اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کیا، صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

تشبیہ بالاغیار کا مفہوم

تشبیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی حقیقت یا اپنی صورت وسیرت اپنی ہیئت ووضع، مذہبی اور قومی امتیازات اور اپنی ہستی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اس کی صورت وسیرت اس کی ہیئت ووضع اور اس کی مذہبی وتعلیمی امتیازات کو اختیار کرے اور دوسری قوم کے وجود میں ضم ہوجائے اور اپنے آپ کو اس میں فنا کردے۔

اسلام نے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے تشخصات اور امتیازات کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے، یہ ممانعت معاذ اللہ کسی تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ غیرت وحمیت کی بنا پر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو غیروں کے ساتھ التباس واشتباہ کی تباہی سے محفوظ رکھا جائے کیوں کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کرے وہ زندہ، آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلم قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہوکر رہے، لباس میں بھی، وضع قطع میں بھی ایک جسم میں ختنہ اور داڑھی کو مسلمان کی علامت ضروری قرار دی گئی ہے دوسرے لباس کی علامت یعنی مسلمان اپنے اسلامی لباس کے ذریعے دوسری قوموں سے شناخت کئے جاسکیں۔

یاد رکھئے غیروں کی مشابہت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہے بعض مشابہت ایسی ہیں جن کی وجہ سے آدمی اسلام سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کفر کا اندیشہ ہوجاتا ہے اور کبھی حرام کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فقہائے کرام نے لکھا ہے اعتقادات اور عبادات میں اغیار کی مشابہت کفر ہے اور مذہبی رسومات میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا یا سینے پر صلیب لٹکانا اور کھلم کھلا کفر کے شعائر کو اختیار کرنا دلی طور پر اس سے راضی ہونے کی علامت ہے، اس لئے یہ بلا شبہ حرام ہے اور اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔ معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً کسی قوم کا مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا فرد سمجھا جانے لگے جیسے سر پر عیسائی ٹوپی (ہیٹ) رکھنا ہندوانہ دھوتی، جوگیانہ جوتی یہ سب مکروہ تحریمی اور ناجائز وممنوع ہیں اور اگر فخر کی نیت سے استعمال کی جائیں تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔

اسی طرح غیروں کی زبان، ان کے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرے میں داخل ہو جائیں یا سنسکرت اس لئے سیکھی جائے کہ پنڈتوں کی مشابہت ہو اور وہ بھی ہمیں اپنے زمرے میں شمار کریں تو یہ مشابہت بھی ممنوع ہے، البتہ اگر ان لوگوں کی مشابہت مقصود نہ ہو محض ضرورت کی بناء پر ان کی زبانیں سیکھیں جائیں تاکہ ان کے اغراض سے واقفیت اور آگاہی حاصل ہو اور ان کے خطوط پڑھ سکیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتاب کرسکیں تو اس صورت میں غیروں کی زبان سیکھنے میں

کوئی مضائقہ نہیں۔

غرض کسی بھی چیز کا استعمال غیروں کی مشابہت کی نیت سے اور دشمنان دین کی مشابہت کے ارادے سے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ان کی طرف رغبت اور میلان ہے، خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا ان کی مشابہت اختیار کرنے کی نیت وارادے سے کوئی کام کریں۔

غیروں کی مشابہت کے نقصانات

غیروں کی مشابہت اختیار کرنے میں بہت سے نقصانات ہیں، ہم نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں :

کفر اور اسلام میں ظاہری طور پر کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا اور حق مذہب یعنی اسلام دیگر مذاہب باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائے گا۔

(۲) غیروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیا کرنا درحقیقت ان کی سیادت اور برتری تسلیم کرنے کے مترادف ہے نیز اپنی کم تری اور کہتری اور تابع ہونے کا قرار واعلان کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام پر برتری عطا فرمائی ہے اور پوری دنیا کا حکمراں اور معلّم بنایا ہے حاکم اپنے محکوم کی تقلید نہیں کیا کرتا، پھر دین اسلام نہایت کامل اور مستقل دین ہے یہ اوروں کی تقلید کا حکم کیوں کر دے سکتا ہے۔

(۳) غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے ان کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے، جب کہ اسلام میں غیروں سے دلی محبت صراحۃً ممنوع قرار دی گئی ہے۔

(۴) آہستہ آہستہ ایسا شخص اسلامی تمدن کا استہزا اور تمسخر کرنے لگتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلامی تمدن کو اگر اہمیت دیتا اور اسے حقیر نہ سمجھتا تو غیروں کے تمدن کو اختیار ہی نہ کرتا۔

(۵) جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر اغیار کی وضع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی عزت باقی نہ رہے گی، ویسے بھی نقل اتارنے والا خوشامدی کہلاتا ہے۔

(۶) دعوئ اسلام کا مگر لباس، کھانا پینا، معاشرہ تمدن، زبان اور طرز زندگی یہ سب کام اسلام کے دشمنوں جیسا اختیار کرنے کا معاذ اللہ یہ مطلب نکلتا ہے کہ لاؤ ہم غیر مسلم بنیں گرچہ صورت ہی میں سہی۔

(۷) دوسری قوموں کا طرز زندگی اختیار کرنا اسلام سے اور اپنی مسلم قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۸) غیروں سے مشابہت اختیار کرنا غیرت اور حمیت کے خلاف ہے۔

(۹) غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والوں کے لئے اسلامی احکام جاری کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، مسلمان اس کی شکل وصورت دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ کوئی یہودی یا عیسائی یا ہندو ہے، سلام جیسی پیاری دعا سے محروم رہتا ہے، دنیا میں اس کی گواہی بھی تسلیم نہیں کی جاتی اگر کوئی لاش، کافر نما انسان کی مل جاتی ہے تو تردد ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے اور اس کو کس قبرستان میں دفن کیا جائے۔

(۱۰) جو لوگ غیروں کے معاشرے کو اتنا محبوب معاشرہ بناتے ہیں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہتے ہیں کیوں کہ عشق ومحبت کی بنیاد تذلیل پر ہے یعنی عاشق کو ہمیشہ اپنے معشوق کے سامنے ذلیل وخوار بن کر رہنا پڑتا ہے۔ اس قدر مفاسد کے ہوتے ہوئے اپنے دشمنوں کے معاشرے کو پسند کرنا اور انہیں عزت وشوکت کی چیز سمجھنا انبیائے کرام اور صلحا کی مشابہت سے انحراف کر کے اغیار کی مشابہت اختیا کرنا اور ان کے معاشرے میں رنگ جانا یقیناً ہماری ذلت ورسوائی، بے غیرتی اور انحطاط اور تنزل کا سبب ہے، اس میں عزت ووقعت ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی اس سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے خوش ہوں گے تاوقتیکہ مسلمان ان ہی کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں قرآن نے

صاف کہہ دیا ہے۔

"اور یہود ونصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی اتباع نہ کرنے لگو"۔

(بقرۃ، آیت ۱۲۰)

غیروں کی مشابہت کیوں ممنوع ہے؟

اسلام ایک نور اور کامل ومکمل اور حق مذہب ہے اور تمام مذاہب کا ناسخ بن کر آیا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو کفر وشرک کی ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کی طرف اور باطل سے ہٹا کر حق کی طرف اور ذلت سے ہٹا کر عزت کی طرف دعوت دیتا ہے وہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ ایسے مذاہب جو ناقص اور منسوخ ہو چکے ہیں ان کے پیروؤں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا اسلامی غیرت اور حمیت کے خلاف ہے۔

اسلام جس طرح اپنے اعتقادات میں مستقل ہے کسی کا تابع دار اور مقلد نہیں اسی طرح وہ اپنے معاشرے اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع ومقلد نہیں، اسلام کے نام لیوا حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں ان کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اغیار کی ہیئت اختیار کریں، جس سے دوسرے دیکھنے والوں کو اشتباہ پیدا ہو۔

غالباً کسی حکومت میں ایسا نہیں ہے کہ اس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کرے، جو سپاہی ایسا کرے گا وہ گردن زدنی کے قابل سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی جماعت حکومت سے بغاوت کرے اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان اختیار کرے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کا نشان اختیار کرنے کی اجازت نہ دے گی، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک حکومت کی فوج کے جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ دوسری حکومت کی فوج کی وردی اور شناخت اختیار کرنے کو جرم قرار دے کیوں کہ وہ اس حکومت کی دشمن ہے، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ دشمنان خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دیں، کیوں نہیں من تشبہ بقوم فھو منھم جو خدا کے دشمنوں کی مشابہت اختیار کرے گا اور ان ہی کا طور طریقہ اور معاشرت اختیار کرے گا تو وہ بلاشبہ دشمنان خدا کی فوج میں سمجھا جائے گا۔

لہٰذا جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے پیروؤں کی شکل وصورت، لباس، طور طریقہ بھی اس کے دشمنوں سے جدا اور علیحدہ ہو، دنیا میں ظاہری صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے، خدانخواستہ شریعت میں اغیار کی مشابہت کی ممانعت کسی تعصب کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اسلامی غیرت وحمیت اور خود اختیاری کے تحفظ پر مبنی ہے کیوں کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں، مذہب اسلام اور مسلمانوں کو کفر والحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور اغیار کے تشبہ سے انہیں بچایا جائے کیوں کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ مشابہت کا مفہوم اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اے ایمان والو! کفر اختیار کرنے والوں کے مانند اور مشابہ نہ بنو"۔

(آل عمران، آیت ۱۵۶)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

"اے ایمان والو ان لوگوں کے مانند نہ بنو جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچائی"۔

(احزاب آیت ۶۹)

ایک مقام پر ہے :

"کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی (یعنی یہود ونصاریٰ) جن پر زمانہ دراز گزرا پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں"۔

(حدید آیت ۱۶)

اس آیت میں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر یہود ونصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی گئی تو قلب بھی ان ہی کی

طرح سخت ہوجائیں گے، اور قبول حق کی صلاحیت بھی جاتی رہے گی۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے :

''اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں مبادا تمہیں جہنم کی آگ پکڑے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے''۔ (ہود آیت ۱۳۳)

غیروں کا لباس اور ان کا شعار اختیار کرنا ان سے دلی محبت کی علامت ہے شرعاً یہ ممنوع ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے :

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں) اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہی ان میں سے ہوجائے گا بلا شبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

(مائدۃ، آیت ۵۱)

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث بھی بکثرت ایسی ملتی ہیں جن میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے :

''مشرکوں کی مخالف اختیار نہ کرو''۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :

''کفار میں سے کسی سے موافقت نہ کرو''۔

ایک اور حدیث میں ہے :

عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔ جو ہمارے اغیار سے مشابہت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فارس میں رہنے والے مسلمانوں کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ تھا :

''اے مسلمانو! اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے اپنے کو دور رکھنا''۔

(بخاری شریف)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ایک فرمان حضرت عمرؓ کا اس طرح نقل کیا ہے :

''اے مسلمانو! ازار او رچادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لباس (یعنی لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو مبادا تم وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو اور موٹے اور کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے''۔

(فتح الباری ص ۲۴۰ رج ۱)

کتاب الزواجر میں علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے مالک بن دینار سے ایک نبی کی وحی نقل فرمائی ہے :

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی جانب سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں اور میرے دشمنوں جیسے کھانے نہ کھایئے ورنہ میرے دشمنوں کی طرح یہ بھی میرے دشمن ہوجائیں گے''۔ (کتاب الزواجر ص ۱۱رج ۱) اسی مفہوم کے مثل قرآن کریم میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ زیادہ خلط ملط رکھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا، انکم اذاً مثلهم، یعنی ایسا کروگے تو تم بھی ان ہی جیسے ہوجاؤ گے۔

نیز اوشاد فرمایا : من یتولهم منکم فانه منهم جو غیر مسلوں سے دلی دوستی کرے گا وہ ان ہی میں شمار ہوگا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا تختہ الٹ گیا تو حضرت عمرؓ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے، اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ غیر مسلموں کے تشبہ سے اجتناب کریں اور ان جیسی ہیئت، لباس، وضع قطع اختیار نہ کریں اور دوسری طرف غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فرمان جاری فرمایا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اختیار نہ کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہوسکے''۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۵۸)۔

●●

سوال جواب

مفتی راشد حسین ندوی

س : بعض لوگوں کو جب شادی کے موقع پر ناچ باجے اور تماشہ بازی سے روکا جاتا ہے تو غصہ میں آکر کہتے ہیں کہ پھر جب ہر چیز میں شریعت کا لحاظ کیا جارہا ہے تو مہر بھی شرعی ہونا چاہئے، اور اس کی وضاحت طلب کرنے پر بتاتے ہیں کہ شرعی مہر تین روپیہ دس آنہ ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایئے کہ کیا واقعی شرعی مہر تین روپیہ دس آنہ ہے؟

ج : شریعت نے کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم چاندی (۳۴،۰۲ گرام چاندی) مقرر کی ہے، اس سے کم مقرر کرنا منع ہے، نیز تفاخر کے طور پر بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے لیکن کسی خاص مقدار کی تعیین نہیں کی گئی ہے، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو اسی درہم (۱،۶۳۹۶) کلو چاندی اور ازواج مطہرات کا (سوائے حضرت ام حبیبہ کے) پانچ سو درہم (۱،۷۰۱ کلو چاندی) تھا (حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر اس سے کہیں زیادہ یعنی چار ہزار درہم تھا) ان تفصیلات سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ بات قطعاً غلط ہے) اور غالباً غلط فہمی اس طرح پھیلی ہوگی کہ جس زمانہ میں چاندی کا روپیہ رائج تھا اس زمانہ میں کسی بزرگ نے کم سے کم مہر کی مقدار تین روپیہ دس آنہ بتائی ہوگی جو مقدار میں دس درہم کے برابر رہے ہوں گے، پھر ناواقفیت سے اس کو شرعی مہر اور وہ بھی چاندی کے سکوں کے بجائے موجودہ نوٹوں سے سمجھ لیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم! (احسن الفتاوی ۳۲/۵، امداد الاوزان ص ۳۲-۳۶)۔

س : اگر کوئی شخص شریعت کی مقرر کردہ کم سے کم مقدار یعنی دس درہم سے کم مہر مقرر کرکے شادی کرے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس صورت میں کتنی مہر ادا کرنی ہوگی؟

ج : صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوجائے گا اور مقرر کردہ مہر کے بجائے شوہر پر دس درہم ۳۴،۰۲ چاندی کی قیمت واجب ہوگی (شامی ۳۵۸/۲، احسن الفتاوی ۳۵/۵)

س : عالمیت کا کورس کررہے ایک طالب علم نے بتایا کہ آج کل باغ کی فروخت کرتے وقت متعین مقدار یعنی ایک دو کوئنٹل استثناء کرلینے کا جو رواج ہے وہ صحیح نہیں ہے، ثبوت میں اس نے اپنی کورس کی بعض کتابوں کا نام لیا، کیا اس کی بات صحیح ہے؟

ج : اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہ حنفی میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت وہ ہے جس کا مذکورہ طالب علم نے ذکر کیا، لیکن اس پر فتویٰ نہیں ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ متعین وزن کا استثناء کرنا صحیح ہے، ظاہر الروایہ یہی ہے، اور اسی پر فتوی ہے، لہٰذا باغ کی فروخت کے وقت کچھ کوئنٹل یا کچھ کلو پھل کا استثناء درست ہے۔ (شامی ۴۵/۴)

س : زمین کا ایک دو سال کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جب کرایہ اور کرایہ کی مدت متعین کردے، اسی طرح جو فصل بوئی ہے یا اس کی تعیین کردے یا کلی اجازت دیدے کہ کرایہ پر لینے والا جو چاہے بوئے تو زمین کا کرایہ پر دینا درست ہوگا۔ (شامی ۲۰/۵)

س : ایک صاحب نے اپنی بیوی کے نام ایک پلاٹ خریدا ہے، بیوی کے ایک لڑکی ہے، لڑکے نہیں ہیں، اس پلاٹ کو لکھواتے وقت اسٹامپ پیپر پر یہ لکھوادیا ہے کہ میں اپنے مرنے کے بعد یہ پلاٹ اپنی لڑکی کو دیتی ہوں، تو کیا یہ وصیت صحیح ہے، یا اس میں کسی اور کو حصہ ملے گا؟

ج : جب کسی کو اپنی موت کے بعد سے نسبت کرکے کسی چیز کا مالک بنایا جائے تو اسے وصیت کہتے ہیں (شامی ۴۵۸/۵)۔ اور وصیت کے لئے کئی شرائط ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی موت کے وقت جس کے لئے وصیت کی ہے وہ اس کا وارث نہ بن رہا ہو، یا اگر بن رہا ہو تو اس کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں ان خاتون کی موت کے وقت اگر کوئی اور وارث موجود ہوگا تو یہ وصیت درست نہیں ہوگی، اور اس کو بھی حصہ ملے گا، یہ واضح رہے کہ ورثاء میں صرف لڑکے ہی نہیں ہوتے، بلکہ میت کے بھائی بہن، بیوی شوہر ماں باپ وغیرہ بھی ورثاء میں ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۵۹)۔

محترم یعقوب سروش

اور فرات بہتا رہا

دریائے فرات کے کنارے دور تک پھیلے ہوئے ایک شہر "اور" کے سب سے بڑے عبادت خانے میں آج مشہور تہذیبی رہنماؤں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہو رہا تھا۔ ریاست کی فرماں رواں نمرود کے حکم پر ایک مجلس مباحثہ منعقد کی گئی تھی۔ حاضرین بڑی شدت سے صدر پیشوا کا انتظار کر رہے تھے۔

یہ عبادت خانہ شہر "اور" کے سب سے بڑے خدا نانعار کا عالی شان مندر تھا جو دریا کے کنارے ایک اونچی پہاڑی پر بنایا گیا تھا اور اس کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ سنہ ۲۱۰۰ قبل مسیح میں یہ شہر اپنی خوشحالی، دولت کی فراوانی اور وسیع تجارت کے لئے بے حد مشہور تھا۔ پوری مملکت میں سودی کاروبار کا جال بچھا ہوا تھا۔ عمیلو کا طبقہ، اعلیٰ عہدہ دار، فوجی افسر اور مذہبی گروہ پر مشتمل تھا۔ تاجر اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ مشکینو کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور نچلے درجے کے لوگ خدام اور غلام اردو کہلاتے تھے۔ انسانیت کی اس درجہ بندی کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں نے اپنی مملکت کو بھی مختلف خداؤں میں تقسیم کر لیا تھا۔ سب سے بڑے معبود نانعار کے تحت تقریباً پانچ ہزار خداؤں کی کارفرمائی کا تصور باشندگان "اور" کے دل و دماغ میں جاگزیں تھا۔ نانعار کے عبادت خانے کے لئے بے حد حساب باغات، بے شمار مکانات اور ایکڑوں کی زمین وقف تھی۔ معتقدین سونے، دودھ، اناج، گوشت اور کپڑے کے چڑھاوے لاتے۔ نانعار کا بت جس حصہ عمارت میں رکھا گیا تھا اس کی شان ایک محل سرا کی سی تھی۔ اس خواب گاہ میں ہر رات ایک نئی پجارن اس کی دلہن بن کر داخل ہوتی اور نانعار کے نام پر اپنی بکارت کو قربان کر کے پوری سوسائٹی میں معزز بن جاتی۔ بے شمار دیوداسیاں دیوتا کی سیوا کرنے کے لئے ہر لحہ مستعد رہا کرتی تھیں۔!!

کچھ دیر بعد سب سے بڑی مذہبی رہنما کا جلوس عبادت خانے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ناقوس کی کرخت آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ڈھول کی گرج سے زمین کا سینہ دہلنے لگا۔ مذہبی پیشوا کے داہنے ہاتھ میں شیشم کا ایک عصا تھا جس پر بیش قیمت پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے حسین اور نوخیز داسیاں اپنے مخصوص قسم کے لباس میں ایک قطار میں چل رہی تھیں۔

"عالی مرتب، جلیل المنزلت آذر زندہ باد!"۔

"مقدس نانعار آپ کی سدا رکھوالی کرے!"۔

حاضرین کے نعروں سے آس پاس کی پہاڑیاں گونجنے لگیں جوں ہی آذر اندر داخل ہوا سب لوگوں نے اپنی گردن جھکالی۔ مذہبی پیشوا نے پھرتی سے آگے بڑھ کر عصا تھام لیا اور سب سے اونچی مسند پر بٹھا دیا۔ پھر معبود کے گھنٹے ٹن ٹنا اٹھے۔ خوشبودار دھوئیں کے بادل چاروں طرف پھیلنے لگے۔ رنگ برنگی فانوسیں جل اٹھیں۔ سبھوں نے مل کر نانعار کی بڑائی کے کلمات بلند کئے۔ یکا یک پورے عبادت خانے میں گہرا سناٹا ہو گیا۔

"ہمارے سب سے بڑے پجاری آذر" سناٹوں میں نانعار دیوتا کی پر اسرار آواز گونج اٹھی"۔ تیرا بھتیجا ہماری شان میں مسلسل گستاخیاں کرتا جا رہا ہے لیکن تو اب تک خاموش کیوں ہے؟"۔

"مقدس معبود!" آذر سجدہ میں گر گیا۔ "آج کی اس محفل میں ہم کوئی نہ کوئی تصفیہ کر دیں گے"۔ اور پھر سجدے سے اٹھ

کر وہ گرج اٹھا۔

"بلاؤ اسے۔ اس لاابالی ابراہیم کو اس نے اپنے چچا کی عزت کو ملیا میٹ کر دیا ہے!!"۔

"میں یہاں حاضر ہوں۔ میرے محترم و معظم چچا"۔ ایک جوان آدمی آگے بڑھنے لگا۔ اس کے گورے چہرے پر گھنی داڑھی خوب لگ رہی تھی۔ "میں نے تو تمہاری عزت بڑھا دی ہے! انسانیت کو مقام بلند حاصل ہے۔ پتھر کے آگے جھکنے سے انسانیت کی پیشانی داغ دار ہو جاتی ہے۔ میں تمہیں صرف خدائے واحد کی بارگاہ میں جھکنے کا پیام دیتا ہوں۔ تمہارے یہ سارے بت کیسے ہیں جن کے تم گرویدہ ہو رہے ہو۔ آخر ان کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ان کے سامنے ماتھا رگڑا جائے"۔

"خاموش ہو جاؤ!" آذر چیخا "تم ہم سے چھوٹے ہو کر ہمیں سکھاتے ہو؟ ابراہیم ہم جانتے ہیں کہ یہ لکڑی کے پتھر کے بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا دین، ہمارا ایمان یہی ہے کہ ہم ان کی پرستش میں لگے رہیں! ابراہیم علیہ السلام نے پھر ایک اور سوال کیا" مجھے بتاؤ کیا یہ بت تمہاری سنتے ہیں جب کہ تم انہیں پکارتے ہو۔ یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟"

"چپ رہو" آذر نے کہا "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔ انھوں نے نسلاً بعد نسل ان کی پوجا کی ہے۔ تو کیا تمہارے نزدیک وہ سب کے سب بے وقوف ہیں؟ نہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی کہ وہ ان بے جان مورتیوں کی پوجا کرتے رہے۔ اسی لئے ہم بھی ان کی اعتماد پر ان کی پرستش کر رہے ہیں"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف دلائل پیش کرتے ہوئے کہا "ہمارا معبود، خالق اور پروردگار وہی ہو گا جو اپنی ذات میں معبودیت کا کوئی نہ کوئی استحقاق رکھتا ہو۔ آدمی کی پرورش کا سامان کرتا ہو۔ رزق اور متاع زیست بہم پہنچاتا ہو۔ اور خدا ایسا ہو کہ آدمی مستقل اس کی عنایتوں سے وابستہ ہو۔ اب بتاؤ کہ تمہارے ان معبودوں میں کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ پتھر کے یہ حقیر ٹکڑے نہ قسمتوں کو بنا سکتے ہیں!!! اس لئے میرا پیغام صرف یہی ہے کہ صرف ایک اللہ رب العالمین کی بندگی کرو۔ وہی میرا رب ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھے ہمیشگی کی زندگی بخشے گا"۔

"ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے"۔ آذر نے فیصلہ کن انداز میں کہا "اس لئے کہ تم عقل و ہوش کے دشمن بن گئے ہو"۔ اور پھر پجاریوں کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے آذر نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "عبادتی راگ شروع کردو۔ نانعار کا غصہ ختم ہو جائے گا"۔

ایک دوسرے مذہبی پیشوا نے پکار کر کہنا شروع کیا "مقدس نانعار! اس نوجوان ابراہیم کو گمراہی سے بچا لے!!" پھر اسی سانس میں وہ ابراہیم سے مخاطب ہوا "ہونہار نوجوان اگر تو اپنی روش سے باز نہ آئے گا تو مقدس نانعار تجھے ہلاک کر دے گا"۔

"پتھر کے یہ مجسمے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!!" ابراہیم کے لب و لہجہ میں خود اعتمادی تھی۔ ساری محفل پر جیسے موت کی سی خاموشی چھا گئی! "اس نوعمر کی عقل ماری گئی ہے!" نانعار کی پر اسرار آواز عبادت خانے میں گونجنے لگی "اس کو جلد سے جلد سزا دو۔ ورنہ میں سارے شہر کو جلا کر خاک کر دوں گا"۔

اور پھر ناقوسوں اور گھنٹیوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ سارے پجاری زور زور سے نانعار کی بڑائی کے کلمے الاپنے لگے!! جب عبادتی راگ ختم ہو گیا تو ایک مذہبی پیشوا نے اعلان کیا۔ ہمارے سالانہ جشن کا وقت ہو چکا ہے! سورج کو اس گھنے بلوط کے پیچھے روپوش ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ کالڈیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے لوگ میدان جشن میں ہمارا انتظار رہے ہوں گے۔ اس لئے فی الحال اس مجلس مباحثہ کو ملتوی کیا جا رہا ہے۔ دریائے فرات کی چنچل لہروں پر رقص کرنے والی مقدس دیوی کو نذر چڑھانے کے بعد اس نوجوان سے نمٹ لیا جائے گا"۔ اور اس نے ایک دوسرے پجاری سے کہا "دیکھو عقیدت

منڈوں نے ہمارے معبودوں کے لئے جو کھانے بھیجے ہیں وہ سب تم ان کی نذر کردو"۔

ناقوس کی کرخت آواز فضا میں پھیلنے لگی۔ "تم بھی چلو ابراہیم" آپ نے جھلاتے ہوئے تاروں پر ایک نظر ڈالی اور بولے "معاف کرنا۔ میں نہیں آسکتا۔ میرا مزاج کچھ ناساز معلوم ہوتا ہے۔ آپ لوگ جائیے!" سب مذہبی رہنما اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ چکے تھے۔ "میں تو تمہارے ان معبودوں سے ایک چال چلنے والا ہوں!" ابراہیم علیہ السلام نے اس پجاری کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "چال چلنے والے ہو؟" پجاری نے رک کر کہا۔ پھر تاکید کرنے لگا "غالباً تمہارے سر پر موت منڈلا رہی ہے۔ خبردار۔ وئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔ ورنہ تمہارے ہاتھ شل ہو جائیں گے اور تم فرش خاک پر تڑپ تڑپ کر جان دے دو گے!!" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ایک طویل ناقوس بجنے کی دیر میں تمام عبادت خانہ خالی ہو گیا۔ اب دھیرے دھیرے ابراہیم آگے بڑھنے لگے۔ ایک تنگ و تاریک رہ گزر سے ہو کر وہ عین اس مقام پر پہنچے جہاں بے شمار بت نصب تھے۔ سامنے بلندی پر نانعار براجمان تھا۔ اس عبادت خانے کا چپہ چپہ ان کا دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہر معبود کے سامنے نذر کا کھانا رکھا ہوا تھا "کھاتے کیوں نہیں اے پتھر کے مجسموا" ابراہیم نے کہنا شروع کیا۔ "کھاؤ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم بولتے نہیں۔ اچھا نہیں کھاتے۔ بات نہیں کرتے!!" پھر تیزی سے آس پاس کا جائزہ لینے والی نظریں ایک کونے میں رک گئیں۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھنے لگے پھر یکایک عبادت خانہ گونج اٹھا۔ جیسے کوئی دیوار پر مسلسل ضرب لگا رہا ہو!!۔

دوسرے دن سورج کی پہلی کرن پورے شہر میں اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی۔ میدان جشن کے تمام باشندوں کا ہجوم عبادت خانے کی طرف بڑھنے لگا۔ عورتوں، مردوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کا ایک عظیم انسانی سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ یہ لوگ یوں محسوس کرنے لگے گویا کسی نے ان کی آنکھیں نکال لی ہوں۔ گویا کسی نے ان کا سر ان کے بدن سے الگ کر دیا ہو۔ وقفے وقفے سے لوگ چیخ چیخ کر کہتے "ہمارے معبودوں کو کس نے مسمار کیا ہے؟" کون ہے یہ بدعقیدہ!" اسے جلد گرفتار کر لو"۔ مذہبی رہنماؤں کی جماعت عبادت خانے کے صحن میں پریشانی کے عالم میں کھڑی تھی ان کے دماغ ماؤف سے ہو گئے تھے۔

"یہ اسی نوجوان کی کارگزاری ہے"۔ غالباً یہ اسی پجاری کی آواز تھی جس نے ابراہیم کو میدان جشن چلنے کی دعوت دی تھی وہ ابھی ابھی بھاگا آیا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا"۔ وہی ابراہیم علیہ السلام جو ہمارے معبودوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ایک چال چلنے والا ہے۔ میں نے اسے تاکید بھی کی تھی کہ وہ کوئی بے عقلی کی حرکت نہ کرے۔ لیکن غالباً اس کی موت قریب آ چکی ہے!"۔ مذہبی پیشوا کے گروہ پر سناٹا سا چھا گیا۔ عوام کی چیخ و پکار مسلسل بلند ہونے لگی۔ "بات کو آگے نہ بڑھنے دو"۔ آواز کا طرز تکلم مصلحت آمیز نظر آ رہا تھا۔ "ورنہ خطرہ ہے کہ عوام پر ہمارے اثر و نفوذ برقرار نہ رہے۔ یہ کتنی غضب کی بات ہے کہ صدیوں کے عظمت کے نشان مٹ جائیں اور ہم کچھ نہ کر سکیں۔ کالڈیا کا چپہ چپہ آج پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہم اس عظیم حادثہ پر چپ نہ رہیں۔ بلاؤ اس نوجوان کو۔ کاش وہ میرا بھتیجا نہ ہوتا!!" سورج کی کرنیں، سفید اور تیز شعاعوں میں بدل رہی تھیں۔ تمام مذہبی پیشواؤں کی حالت اس شیر کی سی تھی جو زخمی ہو چکا تھا۔ ان کی غضب ناکی میں سفاکی کا پہلو نمایاں ہونے لگا۔ آج یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے پراسرار معبودوں کی قوتوں کی طلسماتی دیوار مسلسل ضربات لگا کر توڑی جا رہی تھی۔ مذہبی طبقے کے شاہانہ کروفر کی جیسے کمر توڑی گئی تھی۔ ان کے اقتدار کو گھن سا لگ گیا تھا۔

سیدھی جانب سے ابراہیم علیہ السلام ہجوم کو چیرتے ہوئے بڑی متانت سے آگے آئے۔

کیا تو نے یہ حرکت کی ہے؟" آذر کی آواز میں شعلہ کی سی لپک تھی۔ ابراہیم نے غور کیا کہ اگر وہ اقرار کریں اور ان سے کہہ

دیں کہ اس چال کی اطلاع پہلے ہی دے دی گئی تھی تو سب کے سب انکار کر دیں گے اور بحث و مناظرہ کا غیر ضروری سلسلہ چھڑ جائے گا اور بات طویل ہو جائے گی۔ لیکن معبودان باطل کی بربادی سے وہ کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد معبودوں کی بربادی سے صرف یہ تھا کہ ان کی عقل کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ معبود بے جان پتھر سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔ پراسرار آوازیں محض ایک ڈھونگ تھیں۔ وہ آخر کیسے خدا تھے جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ ایسے معذور، مجبور اور لنگڑے خدا کس کام کے کہ ان کے آگے سجدہ کیا جائے۔ آذر کے استفسار نے ابراہیم کے آگے یہ تمام مسائل کھڑے کر دیئے۔ انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور حجت الزامی کے طور پر جواب میں کہا کہ "یہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ پوچھو اس بڑے معبود نانعار سے جس کے سامنے ان تمام چھوٹے خداؤں کو ذلیل کیا گیا۔ ان زخمی بتوں سے ہی کیوں نہیں پوچھ لیتے اگر یہ بول سکتے ہوں؟ ان کی پراسرار آواز میں اپنے سوال کا جواب سن لو۔ آج تم وقت کے سب سے بڑے مسئلہ سے دوچار ہو۔ اپنے معبودوں کو آج نہیں تو کب پکارو گے؟" حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیر ٹھیک نشانے پر لگ گیا۔ تمام مذہبی رہنما اپنے میں سوچنے لگے کہ واقعی وہ خود ہی کیسے بے بس اور بے اختیار معبودوں کو خدا بنائے بیٹھے تھے وہ!! ان کے خدا یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ان پر کیا بیتی؟ اور کون ان کو مار کر رکھ گیا؟ آخر یہ ان کی کیا مدد کریں گے جب کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکے؟

"ابراہیم" آذر نے آہستہ سے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے معبود بات نہیں کرتے!!"۔

"تو پھر؟" ابراہیم علیہ السلام نے تاک کر دوسرا تیر چھوڑا"۔ تم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے یوں پتھر کے ان بے جان مجسموں کو قادر و توانا سمجھتے ہو۔ معمولی سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ آؤ اے افراد نسل انسانی!! میں تمہیں بتاؤں کہ انسان کس کے آگے جھکے۔ یہ وہی رب جلیل کی رفیع المرتبت ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ آؤ ہم سب مل کر اس خدائے واحد کی بزرگی کا کلمہ بلند کریں!!" ابراہیم علیہ السلام نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی شروع کر دی۔ مذہبی پیشواؤں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنا جادو جگا رہے ہیں۔ مذہبی اجارہ داری کے طلسم کو پاش پاش کر رہا ہے۔ ان کا دماغ سیدھا سوچ رہا تھا۔ یکایک الٹا سوچنے لگا۔ ان پر ضد اور جہالت سوار ہو گئی اور انہوں نے بڑی پھرتی سے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ ایک پجاری نے ایک بڑے سے ٹیلے پر چڑھ کر اعلان کیا "کالڈیا کے عقلمند شہریو۔ یہ نوجوان باغی ہے اس نے ہمارے معبودوں کی توہین کر کے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے اور اب زہر افشانی پر اتر آیا ہے۔ ہمارے بڑے بزرگوں کی راہ چلنے سے ہمیں روک رہا ہے۔ اس لئے ہماری مجلس مشاورت نے طے کیا ہے کہ اسے آگ کے ایک زبردست الاؤ میں جھونک دیا جائے۔ باشندگان ملک سے پر زور خواہش کی جاتی ہے کہ وہ پرامن طور پر واپس ہوں!! ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ معبودوں کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی"۔

ناقوس کی آوازوں سے ساری پہاڑیاں گونجنے لگیں۔ چاروں طرف نانعار کی تقدیس و بزرگی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے خوشی کے مارے ناچنا شروع کر دیا۔ اور پھر دریائے فرات کے کنارے آگ کا زبردست الاؤ شعلہ بار ہو گیا۔ شہر اور کے سارے باشندے تماشا دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے تھے۔ تل دھرنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کو ہوا میں اچھال کر آگ میں پھینک دیا گیا۔ ساری کائنات جیسے تھم گئی۔ فرات کی لہریں جیسے حیرت میں ڈوب گئیں۔ آسمان اور زمین، سورج اور چاند سب کے سب مبہوت ہو گئے۔ مذہبی رہنماؤں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔!!

اللہ کا دوست آگ میں نہیں جل رہا تھا۔

(باقی صفحہ ......۹........پر)

محترم بلال احمد

میں نے جب اسلام قبول کیا

بلال احمد کی ایمان افروز داستان

میری پیدائش ضلع اعظم گڑھ کے بوے گاؤں میں ہوئی۔ میرا پرانا نام ہیرالعل تھا۔ میرے والد بابو نندن بھاردواج جی ایک سخت مذہبی ہندو ہیں۔ میرے سات بھائی ہیں۔ میرے خاندان اور گاؤں کے بہت سے لوگ دہلی میں بلڈنگ کا کام کرتے ہیں۔ میرے والد صاحب دہلی میں پان بیڑی سگریٹ کی دکان کرتے ہیں۔

اب سے تقریباً سات سال قبل جب میری عمر بارہ سال کی تھی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ پان کی دکان پر تیمور نگر دہلی میں بیٹھتا تھا۔ ہماری دکان کے اوپر بلڈنگ میں ابوفیاض صاحب کڑھائی وغیرہ کا کارخانہ چلاتے تھے۔ ہمارے والد صاحب نے کارخانہ میں رات کو قیام کے لئے ان سے کہا۔ انہوں نے منظور کرلیا۔ میں رات کو کارخانے کے کاریگروں کے ساتھ ہی سویا کرتا۔ رات کو روزانہ ابوفیاض صاحب سارے کاریگروں کو بٹھا کر "فضائل اعمال" کی تعلیم دیتے تھے، میں بھی سنتا۔ مجھے یہ باتیں بہت اچھی لگی تھیں۔ میں جلدی رات کو جا کر تعلیم کا انتظار کرتا اور اگر وہ ناغہ چاہتے تو میں ان سے تھوڑی دیر تعلیم دینے کے لئے کہتا۔ یہ لوگ نماز پڑھنے جاتے تو میں بھی ان کے ساتھ جا کر کبھی کبھی مسجد کے باہر کھڑا دیکھا کرتا۔ مجھے نماز پڑھتے ہوئے لوگ بہت اچھے لگتے۔ ایک رات میں نے ابو فیاض صاحب سے پوچھا "کیا میں مسلمان ہوسکتا ہوں؟" انھوں نے بڑے پیار سے کہا "بیٹا! ضرور اور اگر تم مسلمان نہیں بنو گے تو پھر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ جلو گے"۔ میں نے کہا "تو پھر آپ مجھے مسلمان کر لیں" انھوں نے مجھے کلمہ پڑھایا۔ میرا نام میرے کالے رنگ کی وجہ سے بلال احمد رکھا اور بتایا کہ بلالؓ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ انہوں نے ایمان کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ میں جناب ابوفیاض کو ابا جی کہنے لگا۔ میں بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا ابا جی نے مجھے نماز پڑھنے جانے سے منع کیا کہ مجھے نماز پڑھتا دیکھ کر میرے گھر والے ماریں گے۔ میں نے ابا جی سے کہا کہ ایک بار آپ نماز کو جا رہے تھے تو میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ابا جی! آپ ایک ٹائم کی نماز بھی نہیں چھوڑتے؟ آپ نے یہ کہا تھا کہ جو ایک وقت کی نماز چھوڑے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے تو کیا میں دو نمبر کا مسلمان ہوا ہوں۔ اگر میں دو نمبر کا مسلمان ہوا ہوں تو ایسا مسلمان بننے سے کیا فائدہ؟ آپ مجھے ایک نمبر کا مسلمان کریں اور اگر ایک نمبر کا مسلمان ہوں تو نماز کا تارک مسلمان اسلام سے نکل جاتا ہے۔ ابا جی نے جواب دیا کہ بات تو سچی یہی ہے کہ نماز کے بغیر کچھ مسلمانی نہیں، مگر تم ابھی چھوٹے ہو اور گھر والوں کا ڈر ہے اس لئے میں نے تم سے کہا تھا۔ میں نے کہا : "ابا جی! اللہ کا ڈر زیادہ ہونا چاہئے یا ماں باپ کا؟ میر بات سن کر انھوں نے کہا: اچھا بیٹا! تم چھپ کر نماز کے لئے چلے جایا کرو۔ رمضان کا مہینہ آیا، میں مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا۔ شاید میرے گھر والوں نے مجھے مسجد جاتے دیکھ بھی لیا ہو۔ میں روزے بھی رکھ رہا تھا۔ گھر والے دن میں کھانے کو کہتے، میں بہانا کر دیتا، اس سے ان کو شک ہوگیا۔

ایک روز جمعہ کی نماز پڑھ کر ٹوپی اوڑھے ذاکر باغ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ کی جامع مسجد سے آرہا تھا کہ میرے والد نے دیکھ لیا، مجھے پکڑ لیا۔

مجھ سے پوچھا :

تو مسجد میں کیا کرنے گیا تھا؟

مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہہ دیا اب میں مسلمان ہوگیا ہوں، میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تھا، وہ مجھے بہت برا بھلا کہنے لگے۔ پکڑ کر کمرے میں لے گئے وہاں

میرے بھائی اور خاندان کے لوگ جمع تھے۔ وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے آئے تھے۔ مجھے الگ الگ سمجھاتے رہے مگر میں کہتا رہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، اب مجھے واپس کوئی ہندو نہیں کر سکتا۔ میرے بڑے بھائی نے میری پٹائی شروع کی، چانٹے، گھونسے، بے تحاشا مارے، میں نے صاف کہہ دیا کہ یہ بات دماغ سے نکال دو کہ آپ مجھے ہندو بنا سکتے ہیں۔ اگر تمہیں کامیابی چاہئے اور مرنے کے بعد جہنم کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ اور کلمہ پڑھو۔ وہ مجھے مارتے اور میں ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتا۔ اس سے دوسرے لوگوں کو بھی غصہ آ گیا۔ انھوں نے پھنٹیوں اور ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔ میرے سر اور جسم سے خون بہنے لگا۔ میں نے جوش میں آ کر کہا کہ میری آخری بات سن لو، اس کے بعد جو چاہے کرنا، میں نے اپنے پاؤں کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے کہا "تم مجھے یہاں سے کاٹنا شروع کرو اور اوپر تک میرے ٹکڑے کر دو، جب تک میرے گلے اور زبان میں جان رہے گی لا الٰہ الا اللہ کہتا رہوں گا۔ اب تمہاری مرضی ہے جو چاہو کرو"۔ ان لوگوں نے اس درجہ میرا ارادہ مضبوط دیکھ کر مجھے چھوڑ دیا۔ میں رات کو موقع پا کر وہاں سے بھاگ آیا۔ دو روز تک وہ مجھے تلاش کرتے رہے۔ تیسرے روز ابا جی ابو فیاض پر دباؤ ڈالنے لگے کہ تم نے ہمارے لڑکے پر جادو کرایا، لڑکا تمہارے پاس ہے، اگر لڑکا کل تک ہمارے پاس نہیں آیا تو پولیس میں تمہاری رپورٹ کر دیں گے۔ ابا جی نے ان کو بہت سمجھایا اور کہا کہ بھلائی کا بدلہ تمہارے ہاں یہی ہے، تمہارے بچے کو بغیر کرائے اتنے روز رکھا، اس کا بدلہ یہ ہے؟ مگر وہ نہ مانے۔ ابا جی کو فکر ہوئی۔ میں دہلی ہی میں تھا۔ مجھے پتہ لگ گیا کہ گھر والے ابا جی کو پریشان کر رہے ہیں۔ میں خود کارخانے گیا اور ان سے کہا کہ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر میرے پتا جی کو سونپ آیئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ آپ کا بچہ یہ ہے، اب آئندہ میں ذمے دار نہیں۔ ابا جی نے کہا کہ وہ تمہیں جان سے مار دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر میرے پتا جی کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ اللہ کا شکر ہے یہ لڑکا خود آ گیا، مجھے تو اس کی کچھ خبر نہیں تھی مگر اب اس کو پکڑو اور آئندہ ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد میرے گھر والے مجھے میرے گاؤں اعظم گڑھ لے گئے۔ بہت سے سیانوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کو دکھایا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مجھ پر جادو کرایا گیا ہے۔ بہت اتار کروایا مگر میں گھر میں چھپ کر نماز پڑھتا رہا۔ کچھ روز تو مجھے بند رکھا مگر میرے گاؤں کے ایک مسلمان بھائی نے مجھے سمجھایا کہ تمہیں یہاں سے نکلنے کے لئے اپنا رویہ نرم رکھنا چاہئے۔ میں نے اپنے رویے میں نرمی برتی، گھر والوں نے سوچا کہ جادو اتروانے سے اب اثر کم ہو رہا ہے۔ میری ماں اپنے میکے جا رہی تھیں، وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئیں کہ ماحول بدل جائے گا وہاں ہمارے ننیہال کے پڑوس میں ایک بڑے سمجھدار مسلمان رہتے تھے میری والدہ مجھے ان کے پاس لے گئیں، کہ اس کو سمجھاؤ ہمارا جینا دوبھر کر رکھا ہے، انہوں نے میری ماں کو بہت تسلی دی، اور سمجھایا کہ تم اس کو اپنی اجازت سے جانے دو، یہ لڑکا ہرگز آپ کے یہاں رہنے والا نہیں اور اس نے بہت اچھا فیصلہ کیا مالک کی خاص مہربانی اس پر ہے۔ اس پر وہ تیار ہوگئیں اور میں ننیہال سے ہی ابا جی کے پاس آ گیا انہوں نے مجھے مظفر نگر اپنے گاؤں بھیج دیا۔ پھر ایک مدرسہ میں داخلہ کرا دیا، میں نے قرآن شریف ناظرہ پڑھا، اردو پڑھی کچھ پارے حفظ کئے، پھر حضرت مولانا کلیم صاحب کے مشورہ سے ندوہ کی ایک شاخ میں خصوصی اول میں داخلہ لے لیا۔ الحمدللہ میری پڑھائی بہت اچھی چل رہی ہے۔

میرے ابا جی میرے پہلے پتا جی سے ہزار گنا زیادہ مجھے چاہتے ہیں، لوگ مجھے ان کا اصلی بیٹا سمجھتے ہیں، میری امی بھی میرے دوسرے بھائی بہنوں سے زیادہ میری بات مانتی ہیں، ایک روز مجھے دیکھ کر ایک رشتہ دار نے میرے بھائیوں سے کہا کہ اب تو زمین میں اس کا بھی حصہ ہوگا تو میرے سارے بھائی فوراً کہنے لگے ہم سب سے پہلے یہ زمین میں حصہ دار ہے۔ اللہ نے یہ بھائی تو ہمیں بڑے احسان کے طور پر دیا ہے، ورنہ کہاں ہم گنوار اور کہاں مدینے کی یہ بھائی چارگی۔ اس بھائی پر ہم اپنی جان بھی دیدیں تو ہم اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔

ایک بار میں دہلی میں بس سے جا رہا